U76554

Title - ROOH ALARAWAH.

Creator - Mohd. Ashraf Ali

Publisher - Hindustan Printing works (Delhi)

Date - 1342 H

Pages - 48.

Subjects - Tasawwuf; Arwah; Narooh

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم **امابعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُومُھَا وَلَا دِمَاءُھَا وَلٰکِن یَّنَالُہُ التَّقوٰی مِنکُم کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُم لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُم وَبَشِّرِ المُحسِنِینَ

یہ ایک آیت ہے سورۂ حج کی حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے اسمیں مسئلہ اضحیہ یعنی قربانی کے متعلق جو دو مختلف گروہ دو مختلف غلطیاں کرتے ہیں انکا فیصلہ فرمایا ہے اور فیصلہ بھی نہایت عجیب و غریب کہ جس سے نہ عوام تو عوام خواص بھی غافل ہیں خواہ وہ خواص اہل ظاہر میں سے ہوں یا اہل باطن سے حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان دونوں جماعتوں کی اصلاح اور ترمیم فرما کر ایک نہایت تحقیقی فیصلہ فرمایا ہے۔ اس مضمون کو یعنی قربانی کی روح کو شوال کے شروع میں کے وعظ روح العج والثج میں بہ ضمن احکام حج کے بیان کرچکا ہوں گو اس عنوان خاص سے نہیں اور میں نے اس وقت یہ بھی کہا تھا کہ جمعہ قریبہ ذی الحجہ میں اس کا بیان نہیں کیا جاویگا بلکہ قربانی کے احکام شرعیہ بیان کئے جاوینگے لیکن اتفاق سے قلب میں پھر حرکت ہوئی کہ ویسا ہی مضمون پھر بیان کیا جاوے گو اس کا عنوان اس بیان سابق کے عنوان سے بدلا ہوا ہوگا لیکن حقیقت اور معنون اس بیان کا اور اس بیان کا ایک ہی ہوگا۔ اب اس فیصلہ کے سننے کے

قبل اُن غلطیوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کون کون سی ہیں سو وہ غلطیاں ایک مسئلہ میں واقع ہوتی ہیں دو قسم کے علماء کے درمیان میں یعنی بعض علماء ظاہر و بعض علماء باطن اور افسوس ہے کہ علماء ظاہر کے گروہ میں آجکل بعضے ایسے لوگ بھی آپ کو شامل کرنے لگے ہیں جن کو علم سے کچھ بھی مس نہیں مگر نہ معلوم وہ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے حوصلہ سے زیادہ دعویٰ کرنے لگے ہیں اور بہت دور تک اُن کی دست درازی کی نوبت پہونچگئی ہے اس لیئے ہمکو مجبورًا دست اندازی کی ضرورت پڑی اور ایسے لوگوں نے صرف دنیوی امور ہی میں نہیں بلکہ دینی امور میں بھی اپنی رایوں کو دخل دینا شروع کر دیا ہے وہ اپنے زعم باطل میں یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہماری رائے دُنیوی امور میں قابلِ تسلیم ہے تو دینی امور میں بھی کیوں نہ صائب سمجھی جاوے۔ اُن کی دست اندازی دُنیوی امور میں تو خیر کوئی ایسی قابل لحاظ نہیں ہے مگر ہاں دینی امور میں ضرور قابلِ لحاظ ہے اس زمانہ میں طبیعتیں کچھ ایسی شوخ ہو گئی ہیں کہ جس چیز میں چاہا بے باکانہ دخل دے بیٹھے وہ سادگی جو پہلے تھی اب نہیں رہی پُرانے لوگ جس چیز کو نہیں جانتے تھے صاف کہدیتے تھے دیکھیئے دُنیوی فنون میں سے جس فن کو جو نہ جانتا ہو اُس کے متعلق کسی سے یہ کہلا لینا کہ میں نہیں جانتا۔ نہایت آسان ہے مثلاً ہم نہایت آزادی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم محکمہ زراعت کے کام نہیں جانتے ایک بہت بڑا فلاسفر بھی نہایت خوشی بلکہ فخر کے ساتھ کہنے کے لیئے تیار ہو جائیگا کہ ہم نہیں جانتے۔ کھاد کس طرح ڈالی جاتی ہے۔ اُس کو اس اقرار جہل سے ذرا عار نہیں آئیگی۔ مگر آجکل کے مُدعیان تحقیق سے یہ منوا لینا کہ ہم دینی دقائق نہیں جانتے بالکل ناممکن ہے۔ بھلا کس طرح مان لیں حضرت کی شانِ تحقیق میں فرق نہ آجائیگا۔ دین سے مناسبت کچھ اسقدر کم ہو گئی ہے کہ اِس عدم مناسبت کو بھی انھیں نہیں سمجھا سکتے۔ بڑے سے بڑا عالم بھی ایک جگہ پہونچکر یہ کہدے گا کہ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا آگے میں ناواقف ہوں۔ لیکن جاہل نے اگر شروع ہی میں کہدیا تو کہدیا کہ میں ناواقف ہوں لیکن اگر کہیں اوّل وہلہ میں اُس کے مُنہ سے نکل گیا کہ میں جانتا ہوں تو بس پھر قیامت تک اُسی کو نباہے جائیگا۔ کسی اونچے سے اونچے درجہ کے

مسئلہ پر کبھی وہ نہیں کہے گا کہ میں نہیں جانتا مگر اس کے اصرار سے کہیں حقیقت بدل سکتی ہے جیسے کسی سیاح نے امریکہ کا راستہ نہ دیکھا ہو اور تمام روئے زمین کی سیاحت کرکے لوٹا ہو اور امریکہ کا پتہ اس کے بعد دوسرے سیاحوں نے لگایا ہو اور اس کے سامنے امریکہ کا ذکر کیا جاوے تو وہ فوراً انکار کردیگا کہ امریکہ کوئی خطہ روئے زمین پر موجود نہیں کیونکہ ہم سارے روئے زمین کی سیاحت کر آئے ہیں ہمیں کہیں نہیں ملا۔ مگر کیا اس کے اس نفی کرنے سے امریکہ کی نفی ہو سکتی ہے۔ اگر اسے یہی کہا جاویگا کہ تمھارا علم محیط نہیں ہے اور تمھارا احاطہ نہ کرنے سے حقیقت کی نفی نہیں ہو سکتی نہیں تعجب ہے کہ اس سے امریکہ کا انکار نہ کیا جائیگا لیکن حقیقت واقعیہ کا انکار کر بیٹھیں۔ غرض خواص کے طبقہ سے نکل کر یہ عامیوں کے طبقہ تک وہ مسئلہ پہونچ گیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پر نہایت زور شور سے گفتگو ہے کہ احکام شرعیہ کے اندر حقیقت میں کوئی مصلحت ہے یا نہیں یہ بحث معرکۃ الآرا ہے کہ احکام شرعیہ کے اندر مصلحتیں بھی ہیں یا کیف ما اتفق جو چاہا حکم مقرر کردیا مثلاً روزہ کا حکم کیا ہے قربانی کا حکم کیا ہے آیا ان میں کوئی مصلحت ہے یا یوں ہی جو چاہا حکم کردیا نماز کو فرض کیا ہے آیا اس میں کوئی مصلحت بھی ہے یا ویسے ہی فرض کردی سو اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ احکام میں مصلحتیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ وہ مصلحتیں کیا ہیں سو اس کا ایک نہایت عمدہ جواب عرض کرتا ہوں لیکن وہ خشک ہوگا وہ یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیا ہیں اور مغلوب العشق تو یہی جواب دیگا کہ ہم نہیں جانتے مصلحت کیا ہے لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں مصلحت سے بحث نہیں نہ یہ کہ ہمکو بالکل ہی معلوم نہیں وہ تو جانتے بھی ہیں یہی کہے گا جو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار	بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

[illegible] مصلحت [illegible] حضرت مولانا [illegible] کا ارشاد ہے ؎

[illegible]	[illegible]

[illegible] مصلحت [illegible]

[illegible] مصلحت [illegible] فرماتے ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو		جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور ان حضرات عشاق میں جو محقق ہیں اُن سے اگر کوئی مصلحت پوچھی جاتی ہے تو نا شکری بھی نہیں کرتے کہ باوجود معلوم ہونے کے یوں کہیں کہ مصلحت معلوم نہیں کیونکہ یہ حضرات صورت کفران سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں مصلحت سے بحث نہیں ہمیں حکم محبوب کی تعمیل سے غرض ہے۔ لہذا دونوں جمع کرکے یہ کہتے ہیں ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز		ورنہ در مجلس رنداں خبری نیست کہ نیست

یعنی کوئی ضروری بات ایسی نہیں ہے جو ہمیں معلوم نہ ہو لیکن مصلحت نہیں الخ اور مصلحت کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جس کسی نے عشق کا مزا چکھا ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ کسی نوکر کا محبوب آقا جسکے حکم کرتا ہے کہ جاؤ دوڑ کر اچکن لے آؤ اصطبل سے گھوڑا تیار کرکے فوراً حاضر کرو ہم فلاں حاکم سے ملنے جائیں گے وہ اس حکم کی تعمیل کے لیئے دوڑ کر جائیگا۔ اب ایسی حالت ہے کہ وہ دوڑا ہوا جارہا ہے اگر راستہ میں اس سے کوئی پوچھے کہ کیوں دوڑے ہوئے جاتے ہو تو وہ صرف یہی کہدیگا کہ مالک نے گھوڑا منگایا ہے اچکن منگائی ہے اسپر اگر وہ شخص یہ پوچھنے لگے کہ اس حکم میں کیا مصلحت ہے تو کیا وہ اس حکم کی وجہ پر لکچر دینے لگے گا۔ اور گو اس حکم کی وجہ بھی ضرور ہے اور وہ اسکو جانتا بھی ہے کہ ملاقات حاکم ہے لیکن وہ صرف یہی کہدیگا کہ ہمیں وجہ نہیں معلوم یا ہمیں وجہ سے کیا بحث پڑی وجہ ہمارے لیئے یہی ہے کہ ہمارے آقا نے حکم دیا ہے وجہ خود آقا سے جاکر پوچھو۔ وہ اس سے زیادہ ایک حرف نہ کہے گا کہ انھوں نے حکم دیا ہے ہم تعمیل کے لئے جارہے ہیں کیونکہ وہ تو تعمیل کی دھن میں لگا ہے اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ کھڑا ہوکر مصلحت اور وجہ پر لکچر دینا شروع کردیا تو معلوم ہوا کہ وہ عاشق نہیں ہے صرف ایک حکیم دانشمند سخنور ہے جو خالی ہے عشق سے غرض اس کے اس کہنے سے کہ ہمیں وجہ معلوم نہیں یہ نہیں ہرگز نہیں کہ مصلحت نہیں ہے یا اسے معلوم نہیں ہے بلکہ مصلحت بھی ہے اور اسے معلوم بھی

ہے لیکن فرصت کس کو ہے کہ محبوب کے مشاہدۂ جمال اور اس کے امر کے امتثال سے قطع نظر کرے اور توقف کرے اور تقریر بسیط بیان کرے فرصت ہی کس کو ہے ۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رح نے قطع منازعت کے لئے عجیب دستور العمل تعلیم فرمایا ہے ۔ فرماتے تھے کہ بھائی اگر کوئی شخص تم سے مباحثہ کرے تو تم اس مثل پر عمل کرنا کہ ایک حجام سے ایک شخص نے کہا کہ میری داڑھی کے سفید بال چن لو منکوحہ جوان عورت ہے اس کو سفید بال ناپسند ہیں کہیں بوڑھا سمجھکر نفرت نہ کرے جب میاں حجام کو لیکر بیٹھے تو اس نے ایک طرف سے شروع کرکے دوسرے کنارہ تک پہونچا کر پوری داڑھی صاف کرکے آگے رکھدی اور کہا کہ مجھے کام بہت ہے آپ خود چھانٹ لیجے مجھے اتنی فرصت نہیں کہ ایک ایک بال چنوں بس اسی طرح جب تم سے کوئی کسی مضمون میں الجھے تم سب مطلب اس کے حوالہ کرکے اپنے کام میں لگ جاؤ اور ایسا نہ کرنا علامت اس کی ہے کہ اس کو کوئی کام نہیں بالخصوص عشق و معرفت سے خالی ہونے کی تو یہ صاف علامت ہے حضرت شیخ شیرازی رح خوب فرماتے ہیں ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئے	چو بگذشت بر عارف جنگ جوئے
گر ایں مدعی دوست بشناختے	بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

منازعت کی فرصت کس کو ہے اگر کسی کی معشوقہ خواہش کرے کہ فلاں وقت آؤ ہم ملنا چاہتے ہیں مگر نہا دھوکر کپڑے بدل کر آراستہ پیراستہ ہو کر آنا تاکہ بدن اور کپڑوں میں بو نہ آئے سو وہ جان بھی گیا کہ اس واسطے کپڑے بدلنے کا حکم دیا ہے اور تمام احکام کا امتثال بھی کیا حکمتیں بھی معلوم مصلحت سے بھی واقف مگر جانے کے وقت کسی نے ہاتھ پکڑ کر دریافت کیا کہ آپ تو ژولیدہ حال پھرا کرتے تھے آخر اس تغیر کی کیا وجہ حالانکہ وہ وجہ اور وجہ کی وجہ سے بھی واقف ہے لیکن اگر وہ مشاہدہ محبوبہ کا مشتاق ہے تو کیا وہ وقت کو کھوٹا کریگا اور وجہ بیان کرنا شروع کریگا یا ہاتھ چھڑا کر کہدیگا کہ میں نہیں جانتا یا میں نہیں بتاتا اور جاکر محبوبہ کے سامنے بیٹھ جائیگا ۔ اگر اس نے کچھ دینا شروع کیا تو معلوم ہوگا کہ اسکو محض عقلمانہ محبت ہے عاشقانہ محبت نہیں ہے اسی طرح اگر کوئی اہل اللہ سے الجھتا ہے

[illegible] سے اعراض کی [illegible]

اگر وہ واقعی طالب تحقیق ہو اور اسکا منصب بھی تحقیق کا ہو اور بات بھی قابل تحقیق ہو تو افادہ سے دریغ بھی نہیں کرتے ورنہ وہ یہ کہکر کہ ہم نااہل ہیں ہم کچھ نہیں جانتے اپنے محبوب کی طرف مسافت قطع کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں یعنے ذکر اللہ و طاعت میں لگ جاتے ہیں۔ اس کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے کہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ کچھ نہیں جانتے انھیں اس کی پرواہ ہی کیا ہے اور واقعی جو ضروریات میں مشغول ہوگا اس کو فضولیات کی کب فرصت ہوگی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جب بلخ کی سلطنت کو ترک کر دیا تو اُن کے وزیر نے ایک روز حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور سلطنت تباہ ہو رہی ہے رعایا سخت پریشان ہے درویشی کے ساتھ بھی تو سلطنت ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جب تک کوئی فکر مانع میں ہوتی ہے دوسرا کام خوش اسلوبی کے ساتھ ہو نہیں سکتا۔ اگر تم اُس فکر کو رفع کر دو تو البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں پھر لیلوں گا وزیر نے سمجھا کہ کوئی ایسی ہی معمولی فکر ہوگی۔ عرض کیا کہ حضور ارشاد فرمائیں دل وجان سے ہم لوگ اس فکر کے زائل کرنے کی کوشش کریں گے حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ مجھے یہ فکر پریشان کئے ہوئے ہے کہ میں کونسے فریق میں ہونگا تم اس سے بیفکر کر دو۔ وزیر یہ سن کر دنگ رہگیا وہ اُنکے فکر کی زوال کی تو کیا کوشش کرتا اُسے اپنی وزارت سے وحشت ہو گئی اور خود اُسی کو فکر دامن گیر ہو گئی یہ گفتگو تو باعتبار محبت و معرفت کے ہے جو تفتیش مصالح کو بیکار بناتا ہے اور حق تعالےٰ کی عظمت و حکومت کے حقوق پر نظر کیجائے اُس کا مقتضا بھی یہی تفتیش مصالح کا ممنوع ہونا ہے چنانچہ ظاہری سلطنت کے قوانین یقیناً متضمن مصالح ہیں اور اُن احکام کی لِم کو مجلس واضعان قوانین ضرور جانتی ہے اور اُنھوں نے اُسکو سمجھا بھی ہے اور انھیں کو سمجھنا ضروری بھی ہے لیکن عام رعایا پر صرف عمل کرنا واجب ہے اور عمل کے لئے لِم کے معلوم کرنے کی اُن کو کوئی ضرورت نہیں ہمارے لیئے تو صرف یہی کافی ہے کہ سلطنت وقت کا حکم ہے اور سلطنت وقت کا حکم واجب العمل ہوتا ہے لہذا ہم کو عمل کرنا چاہیئے۔ اے اللہ یہ عجیب بات ہے کہ

حضرت ابراہیم بن ادہم کی حکایت

مصالح کی تفتیش عظمت حق کے منافی ہے

سلاطین کے احکام پر عمل کرنے کے لیے تو نہیں صرف اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہو کہ یہ
سلطنت وقت کے احکام ہیں اور خدائے تعالیٰ کے احکام میں حکمتیں تلاش کیجائیں
اور جب تک حکمت نہ معلوم ہو اُن پر عمل نہ ہو۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رح فرمایا کرتے تھے
کہ ہر طالب علمے کہ چون وچرا نکند وہر درویشی کہ چون وچرا کند ہر دو را بچراگاہ باید فرست
طالب علم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم میں مشغول ہو مثلاً ایک شخص طب
پڑھتا ہے اُس کو تو تحصیل کے وقت چون وچرا واجب لیکن اگر مریض چون وچرا کرے
تو وہ کان پکڑ کر مطب سے نکال دینے کے قابل۔ درویش سے مراد عامل ہے اُس کو
عمل چاہیئے تحقیق اس کی دلیل یا علت کی اس کو ہرگز مناسب نہیں اور طالب علم
سے مراد جو فن سیکھ رہا ہے مثلاً فقہ پڑھنے کے وقت لِمَ وکَیفَ ضروری ہے اور وہ
بھی اُسی قدر جو فقہ کے مناسب ہے لیکن جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہے اُس کو خود دلیل ہی
پوچھنا ایک لایعنی بات ہے اور یہ پوچھنا کہ اس میں کیا حکمت ہے تو بڑی بے عظمتی
حق تعالیٰ کے حکم کی ہے اور بڑی بے وقعتی اور گستاخی ہے اگر کوئی رعایا حدود
ہندوستان میں احکام گورنمنٹ کے مصالح میں گفتگو کرے تو بھی گستاخی لیکن جرأت
کی گنجائش اس لیے ہو سکتی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس گستاخی کی خبر شاہ جارج پنجم کو ہو
لیکن اللہ میاں تو پورے ہیں نہیں ہیں وہ ہماری ذات سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک
ہیں جیسا کہ منصوص ہے خود فرماتے ہیں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ - الخ
یعنی ہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہوں۔ یہاں ہیں اس کے متعلق ایک
موٹی بات بتلائے دیتا ہوں جس سے یہ ایک مسئلہ کشفی بالکل بدیہی اور محسوس ہو جاتے
ایک موٹی تقریر سے سمجھائے دیتا ہوں یعنی تم جو اپنی ذات سے نزدیک ہو تو اپنے وجود اور
ہستی کے سبب نزدیک ہو۔ لیکن خود تم ہیں اور ہستی ہیں جو علاقہ ہوا ہے وہ کیسے ہوا۔
آیا بالواسطہ یا بلاواسطہ سو ہستی بلا واسطہ تو صرف خدا کی ذات کے لیئے ثابت ہے کہ واجب الوجود
ہے آپ کی ہستی تو واسطہ کی محتاج ہے اور واسطہ کو بہ نسبت ذی واسطہ زیادہ قرب
ہوا کرتا ہے مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیئے گئے ہیں وہ ایک دوسرے استے قریب

تحقیق طالب علم و عامل اور عامی کی

اقربیت حق تعالیٰ کی ایک عام فہم تقریر

نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن
آخر میں کسی طرح تمھیں سمجھاؤں بھی۔ پس جب اللہ تعالیٰ تمھارے اور تمھاری ہستی کے
درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے اور یہی حاصل تھا تمھارے ساتھ بہ نسبت
تمھاری جان کے قریب ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں
جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھا یا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کوئی قیل وقال کی گنجائش نہیں
حاصل یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم میں اور تمھاری ہستی میں علاقہ پیدا نہ کریں تو تم کچھ بھی نہیں۔
اُسی کے واسطے سے تم تم ہوئے۔ جب وہ اتنا نزدیک ہے تو اب ایک کام کی بات بتلاتا
ہوں سمجھ لیجئے اور میں استدلالی گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ استدلالی گفتگو سے اطمینان
نہیں ہوتا ساکت کردینا دوسری بات ہے عمل اور سمجھنے کے قابل بات بتلاتا ہوں وہ یہ کہ جب
آپ کوئی سوال شریعت مقدسہ کی بابت کریں جس میں سوال عن الحکمۃ بھی داخل ہے تو پیشتر یہ تصور
کر لیا کریں کہ ہم ایک مجلس میں حاضر ہیں جس کے صدر مجلس حق تعالیٰ ہیں اور ہم جو سوال کرتے
ہیں اُسکو وہ دیکھتے سُنتے ہیں اور یہ بھی تصور کریں کہ جس کی بابت ہمارا سوال ہے وہ خدا ہی کا
قانون ہے اس کے بعد یہ سوچنا چاہیے کہ آیا اس صورت مفروضہ میں ہم خدا تعالیٰ سے بھی یہ
سوال کر سکتے۔ اگر ان سب مقدمات کے استحضار کے بعد بھی وجدان شہادت دے کہ ہاں پوچھ
سکتے تو بس وہ سوال جائز ہے ورنہ نہیں۔ اگر یہ بھی سمجھ میں نہ آوے تو یہ دیکھئے کہ اگر آپ شاہ جارج
کے دربار میں پہونچ گئے اور آپ کی ایسی جگہ نشست ہوئی کہ جہاں وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں
اور آپ کی باتیں بھی سن رہے ہیں تو جو سوال آپ نے قوانین کی لم کی بابت ہندوستان میں بیرسٹر
سے کیا تھا وہ خود بادشاہ سے بھی اس دربار میں کرسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہاں نہیں کرسکتے تو حق
عظمت یہی ہے کہ ہندوستان میں بھی نہ کرو جب یہ بات اس مثال میں طے ہو گئی کہ نہیں
پوچھ سکتے تو کیا خدا تعالیٰ کی عظمت دنیوی سلاطین سے بھی کم ہے اور کیا اُس کا حاضر و ناظر ہونا
اُن کے حاضر و ناظر ہونے سے بھی کم ہے نعوذ باللہ حالانکہ سلاطین کے دربار میں اگر کوئی سرگوشی
کرنے لگے تو بعض اوقات سلاطین کو خبر بھی نہیں ہوتی تو گستاخی کا سوال چنداں بعید نہیں
اور خدا تعالیٰ سے چھپا کر تو ایسی سرگوشی بھی نہیں ہوسکتی تو ایسی حالت میں گستاخی سخت حیرت

ہے - ایک بزرگ فرماتے ہیں اور واقعی عاقل وہی ہے جس کی آنکھیں حق تعالیٰ نے کھول دیں
وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص مجھ سے مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر تصور کرکے
سوچتا ہوں کہ آیا اس جواب پر اتنا اطمینان ہے یا نہیں کہ خدا کے سامنے دے سکوں اگر اتنا
اطمینان ہوتا ہے تو جواب دیتا ہوں ورنہ نہیں۔ ہم لوگ حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر کیا سمجھتے
ہیں صرف الفاظ ہیں اگر حاضر و ناظر سمجھتے تو ہماری اتنی جراتیں نہ بڑھتیں - ایک شخص کہتے
تھے کہ وہ ایک اسلامی بادشاہ کے ملنے کے لئے گئے سخت پہرہ کے بعد تو کہیں ایوان کے احاطہ
کے اندر رسائی ہوئی جہاں سے آرامگاہ شاہی بہت فاصلہ پر تھا لیکن وہاں ایک بلند عمارت
رفیع الشان تھی جہاں کھڑکی میں بادشاہ سلامت بیٹھے تھے اور چاروں طرف دوربینیں
لگی ہوئی تھیں کبھی ادھر دیکھ لیتے کبھی اُدھر دیکھ لیتے جوں ہی انھوں نے دروازہ میں قدم
رکھا بس ایک ہیبت طاری ہوگئی ہر وقت یہی احتمال کہ شاید اس وقت ادھر دیکھتے ہوں
سو باوجودیکہ دیکھنا بالکل مشکوک تھا لیکن صرف اسی خیال سے کہ شاید دیکھ رہے ہوں
قدم نہیں اُٹھتا تھا اور باوجودیکہ ادھر اُدھر عجیب و غریب ساز و سامان مجتمع تھے کہیں روشیں
کہیں سبزہ کہیں پھلواری لیکن گردن پھیر کر نہیں دیکھ سکتے تھے اسواسطے کہ شاید کہ نگاہے کند
اِدھر اُدھر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی - تعجب ہے اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کے
یقین کا تو اثر نہ ہوا اور بادشاہ کے دیکھنے کے احتمال کا اثر ہوا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ
ہونا چاہیئے کہ ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی	شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ہر وقت انھیں کو تکتے رہو جو شخص اس طرح سمجھے گا اسکو ساری مشکلیں اصلاح کے متعلق
آسان ہو جائیں گی - اسی کو یہ بزرگ فرماتے ہیں یک چشم زدن الخ جو حاصل ہے مراقبہ
اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی کا محض اہل قال ایسی اصلاح نہیں کرسکتے - ہم لفظ پرستوں کی
ایسی مثال ہے جیسے طبیب غیر واقف اصول کوئی مریض آیا اور اپنا حال کہنا شروع کیا کہا کہ
مجھے زکام ہے اس نے گل بنفشہ لکھ دیا پھر کہا کہ کھانسی بھی ہے اس نے ملہٹی بھی لکھ دی غرض
جو جو مرض وہ بیان کرتا گیا وہ طبیب صاحب ایک ایک جز بڑھاتے رہے آپ سمجھ سکتے ہیں

بیان ان لفظوں کا مقصود بیان اہل الفاظ و اہل حقیقت

کہ وہ نسخہ کیا ہوگا مطبع مجتبائی کی فہرست تلفی کی یا اوباتنے بڑے نسخہ کو پیئے گا کون سُنا ہے کہ مولانا
شاہ عبدالعزیز صاحب سکندرہ دارالحرب میں پہونچے وہاں بیچارے ایک نام کے طبیب کس مپرسی
کی حالت میں تھے شاہ صاحب کو بخار ہو گیا اُن طبیب کو بلوایا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور
کہا کہ اگر شاہ صاحب کی نظروں میں چڑھ گیا تو پھر خوب شہرت ہو جاویگی اور مطب چل جائیگا
بہت اہتمام کے ساتھ عمامہ باندھ کر عبا قبا پہن کر پہونچے نبض دیکھ کر حالات پوچھ کر شکایت
سُنکے لیے بہت بہت سے اجزا تجویز کرتے گئے اور ایک گھڑے کا گھڑا نسخہ لکھدیا۔ شاہ صاحب نے
نذرانہ بھی دیا بڑے خوش ہوئے اور آکر شیخی بگھارنے لگے کہ شاہ صاحب نے ایسی قدر کی۔
شاہ صاحب کے شاگردوں میں بڑے بڑے قابل لوگ موجود تھے نسخہ پڑھا گیا سب نے ہنسنا شروع
کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو اہل فن کی بیقدری نہیں کرنی چاہیئے۔ مولوی حیدر علی صاحب
جو مشہور مناظر ہیں اور طب بھی پڑھی تھی وہ سب سے زیادہ ہنسے لیکن شاہ صاحب نے اس نسخہ
کے تیار کرائے جانے کا حکم دیا۔ نسخہ پتیلے میں پکایا گیا۔ سیر دو سیر اجزا تھے شاہ صاحب نے کئی دن
تک پیالے بھر بھر کے پیئے۔ شاہ صاحب کے اخلاق ایسے وسیع تھے اُس طبیب کی بڑی شہرت
ہو گئی اب تو گویا شاہ صاحب نے فتوی پر الجواب صحیح لکھدیا۔ بعضے طبیب تو ایسے ہوتے ہیں جیسا ذکر
ہوا اور بعضے وہ ہیں کہ وہ اصل جڑ مرض کی دیکھ لیتے ہیں کہ بلغم یا صفرا بڑھ گیا ہے اور ایک مختصر اور جامع
نسخہ لکھدیتے ہیں اگر پچاس شکایتیں بھی پیش کیجائیں تو وہ یہی کہدیتا ہے کہ ہاں ہمنے سب کی
اصلاح کرلی ہے۔ جاہل ناواقف مریض اُس کے نسخہ کی ناقدری کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ذرا سے
نسخہ میں اتنے امراض کی کیسے رعایت ہو گئی حالانکہ وہ ان سب امراض کی جڑ کو سمجھ گیا ہے مگر ناواقف
کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی شکایتوں کا سبب کوئی ایسی ایک چیز ہے جس کا علاج کرلیا گیا ہے
ایک بوڑھے شخص کا قصہ ہے کہ اُس نے ایک طبیب سے اپنا حال کہا کہ آنکھوں میں
تیرگی ہے طبیب نے کہا بڑھاپے سے اُس نے کہا سانس پھول جاتا ہے کہا یہ بھی بڑھاپے سے
پھر کہا بھوک بھی نہیں لگتی کہا یہ بھی بڑھاپے سے غرض جو شکایت کی اُس نے یہی جواب دیا کہ یہ بھی بڑھاپے سے آخر وہ بڈھا
بگڑ گیا اور طیش میں آکر اس طبیب کے ایک دھول رسید کی کہ تو نے ساری طب میں بس یہی پڑھا ہے کہ
بڑھاپے سے طبیب نے کہا بڑے میاں یہ بیجا غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے تمھارے اس مارنے کا

بھی بُرا نہیں مانتا بس اصل طبیب وہ ہے جو جڑ سمجھ جاوے سواہلِ قال کا علاج تو
اُس حکیم کا سا ہے کہ جو ہر ہر مرض کے لئے ایک ایک جزو بڑھاتا گیا کسی نے شکایت کی کہ وسوسے
بہت آتے ہیں ایک وظیفہ بتلا دیا پھر اُس نے کہا کہ وظیفے میں بھی وسوسے آتے ہیں ایک دوسرا
وظیفہ بتلا دیا جب کہا اسمیں بھی وسوسہ ستاتا ہے تو ایک تیسرا بتلا دیا مگر وہاں وہی وسوسے
موجود جتنا علاج کیا شکایتیں بڑھتی گئیں۔ علاجوں کی کثرت سے وہ سراپا دوا اور وظیفوں
کی کثرت سے مجموعۂ وظائف ہوگیا۔ یہ دیکھکر دین سے وحشت ہونے لگی کہ خدا کی پناہ
کیسی مصیبت ہے برخلاف اس کے ایک شخص ایسا ہے جو جڑ سمجھتا ہے وہ بس یہ کہدیگا
کہ وسوسوں کی طرف التفات مت کرو اگر آتے ہیں آنے دو تمھارا کوئی نقصان نہیں۔ یہی
حاصل ہے وارد فی الحدیث کا ناواقف سمجھا کہ اُنھوں نے دلیا چوڑا وظیفہ بتلایا نہ تو جہ کے
لئے سامنے بٹھلایا نہ کچھ کیا یہ کیا علاج ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ وسوسہ کا خیال نہ کرو۔ بھلا کیسے
خیال نہ کریں معلوم ہوا کہ وہ معتقد ہی نہیں اگر کوئی معتقد ہوگا تو وہ یہی کہے گا کہ ع
قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ اسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ جاہل عالم برابر نہیں۔ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ قبض شدید
میں مبتلا ہوں جی نہیں لگتا وظیفے بھی بڑھائے نفلیں بھی پڑھائیں لیکن کچھ نفع نہیں ہوا
اُنھوں نے مرض کا مرض سے علاج کیا جیسے کسی کو شربت نیلوفر پینے سے نزلہ ہوا اس نے
اُس کے علاج میں پھر شربت نیلوفر ہی پی لیا میں نے ضمناً سمجھ گیا میں نے کہا وظیفے نفلیں
سب یک لخت چھوڑ دو خلوت بھی چھوڑ دو دوستوں سے ملو چلو پھرو لکھنؤ کے قریب
رہتے تھے۔ میں نے کہا لکھنؤ آؤ عیش باغ کی سیر کرو چوک میں پھرو خوب میوے کھاؤ
پھل کھاؤ گناہ تو کچھ مت اور سب طرح کی تفریح کرو ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے
یہ باتیں بتلائی ہیں وہ بڑا اناڑی ہے لیکن اس پر عمل کرنے کے ساتھ ہی اُن کا سب قبض رفع
ہوگیا اور پھر خوب جوش و خروش اور ذوق و شوق پیدا ہوا پھر میں نے کہا کہ بس اب پھر حجرہ
میں بیٹھے بیٹھے شگفتہ ہوگئے کھل گئے۔ باغ و بہار لیکر اندر بیٹھ گئے۔ اہلِ ظاہر نے ہر چیز کا

الگ الگ علاج کیا۔ توحید میں کسی نے وسوسہ کیا اس کی دلیل بیان کردی۔ قربانی میں وسوسہ کیا اس کی بھی دلیل بیان کردی۔ داڑھی میں وسوسہ پانچ وقت کی نماز کے تعین میں وسوسہ ہر ہر حکم میں وسوسہ سب کی دلیل بیان کردی مولانا سے شفا ہوگئی

لیکن جب وہ پھر یاران طریقت کے جلسہ میں پہونچا وہاں پھر ایک شبہ پیدا ہوگیا مولانا کا ذخیرہ سب ایک دم سے ختم ہوگیا سب مقدمات میں شبہ پڑ گیا حضرت محی الدین ابن عربی نے امام رازی کو ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ایک روز بیٹھے رو رہے تھے کسی نے سبب پوچھا تو تم نے کہا ایک مسئلہ فلسفہ کا میں تیس برس سے محقق سمجھے ہوئے تھا آج اس کے ایک مقدمہ میں شبہ پڑ گیا میں اس لئے رو رہا ہوں کہ تیس برس تک جہل میں مبتلا رہا اور اب بھی جو کچھ علم ہے اس کی بابت یقین نہیں کہ یہ صحیح ہے سو تم نے دیکھا اپنے علم کو۔ ہمارے علم میں قیامت تک بھی کوئی شبہ نہیں پڑ سکتا اس کو حاصل کرو امام نے پھر تصوف کی طرف توجہ کی حضرت نجم الدین سے بیعت ہوئے شغل شروع کیا اس میں کوئی چیز اپنے اندر سے انہیں سر سر نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ شیخ سے عرض کیا۔ انھوں نے کہا فلسفہ نکل رہا ہے انھیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اتنے دن کی حاصل کی ہوئی چیز ہاتھ سے جاتی رہے بولے نا صاحب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا فلسفہ نکل جاوے یہ کہکر وہاں سے چلے آئے لیکن تھوڑے ہی دنوں کی صحبت نے یہ اثر کیا کہ وہ حقیقت کو اچھا سمجھنے لگے کہتے ہیں ؎

وغاية سعي العالمين ضلال	نهاية اقدام العقول عقال
سوى ان جمعنا فيه قيل وقال	ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا

حضرت مرتے وقت آپ کو علوم حقیقیہ اور فلسفیہ کی حقیقت معلوم ہوگی مرتے وقت تو یہ معلوم ہی ہوگی ہمیں معلوم ہوجاتی ہے اہل اللہ کو کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا نہیں رہتا بخلاف اہل قال کے وجہ فرق یہ ہے کہ وہ ہر شبہ کا الگ الگ جواب نہیں دیتے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سو بیگہ زمین کو جس پر جھاڑ جھنکاڑ کھڑے ہوئے صاف کرنا چاہتا ہے تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ درانتی لیکر ایک طرف سے جھاڑوں کو کاٹنا شروع کیا سو درانتی منگائی گئیں اور سو آدمیوں کے حوالہ کی گئیں۔ ایک درانتی کند ہوگئی وہ بدلی پھر دوسری کند ہوگئی اسے

بدلنا پڑا۔ پھر تیسری کند ہو گئی۔ ایک شخص آیا اُسکے پاس دیاسلائی کا بکس ہے اُس
نے مٹی کا تیل چھڑکا اور دیاسلائی لگادی آناً فاناً سب کھیت جل گیا۔ درانتیوں سے ایک ماہ میں
جاکر کہیں صفائی ہوتی اور پھر بھی ویسی نہیں یہاں ایک گھنٹہ میں سب میں صاف ہو گئی
اب اسمیں ہل چلاؤ۔ کھیتی بو لو۔ اسی طرح اہل اللہ سے کوئی شکایت کرتا ہے کہ وسوسے آتے ہیں
وہ کہتے ہیں محبت پیدا کرو۔ اگر کہتا ہے کہ نماز میں ادھر اُدھر کے خیالات آنے لگتے ہیں وہ پھر بھی
کہہ دیتے ہیں کہ محبت پیدا کرو عشق پیدا کرو۔ واقعی کہاں درانتی اور کہاں آگ وہاں درانتی
بھی کافی نہیں یہاں سب جھاڑوں کا ایک علاج یعنی اسی کو حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد	او ز حرص و عیب کلی پاک شد
شاد باش ای عشق خوش سودائے ما	اے طبیب جملہ علتہائے ما

ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

عشق آن شعلہ است کو چوں برفروخت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ہرچہ میں سب شامل ہے خواہ نماز میں شبہ ہو یا روزہ میں شبہ ہو ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند	در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت	مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

شرکت سوز ہے کسی کو شریک نہیں رکھتا کیونکہ ؎

چو سلطان عزت علم برکشد	جہاں سر بجیب عدم درکشد

آفتاب کے سامنے سب ستارے ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح جب تجلی حق قلب پہ ہوتی ہے
واللہ سب چیزیں رخصت ہو جاتی ہیں۔ جیسا آفتاب کے سامنے سب ماند ہو جاتے ہیں چاہے
وہ چاند ہی ہو۔ ایک عارف کا قول ہے کہ اندھیری کوٹھڑی میں چوہے چھچھوندر سانپ بچھو
سب نے آکر گھیر لیا ساری رات لکڑیاں بجاتا پھرا لیکن نہ بھاگے بلکہ کہیں چوہا نے پیر میں
کاٹ لیا۔ کہیں اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر پڑے غرض ساری رات یہ مصیبت رہی۔ لیکن موذیوں سے
نجات نہ ہوئی۔ دلائل کی حالت ان لکڑیوں کی سی ہے۔ محبت حق کی مثال ایسی ہے جیسے کہ
ایک شمع روشن کر دی اُس کے روشن ہوتے ہی سب سانپ بچھو چوہے چھچھوندر بھاگ گئے چلے جا

رہے ہیں اسی وقت میدان صاف ہوگیا بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں روشنی میں نہیں ٹھہر سکتیں جہاں ظلمت ہوتی ہے وہیں رہتی ہیں۔ ان کے دفع کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ چراغ روشن کردو۔ گنڈا سہ۔ لکڑی کہیں کام دے سکتا ہے۔ سو اہل اللہ کا علاج ایسا ہی ہے یعنی محبت حق جس وقت عظمت اور محبت حق تعالیٰ کی قلب میں سما جاتی ہے کچھ بھی شبہ نہیں رہتا۔ محققین نے یہی علاج تجویز کیا ہے کہ ہر حکم کو محبت سے قبول کرتے ہیں چاہے حکمت معلوم ہو یا نہ ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے اُن احمقوں پر جو پوچھتے ہیں کہ قبر کا عذاب کیونکر ہوگا اس تحقیق کی کیا ضرورت ہے فکر تو اس کی چاہیئے کہ اُس سے نجات کا کیا طریقہ ہے۔ اگر کسی پر مقدمہ فوجداری کا قائم ہو کر سزائے موت کا حکم ہو گیا ہو اور لوگ کہتے ہوں کہ اپیل کی بھی گنجائش ہے تو اس کو تو یہ مناسب ہے کہ برات کی کوشش کرے نہ یہ کہ اس فکر میں پڑ جاوے کہ کس طرح موت ہوگی آیا پھانسی پر لٹکایا جاویگا یا تلوار سے گردن ماری جاویگی اور یہ کہ پھانسی سے آدمی مر کیوں جاتا ہے۔ گلا گھوٹنے کو موت میں کیا دخل ہے۔ اس احمق سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر ایسی تحقیقات میں پھانسی کا وقت آگیا تو تجھے تیری سائنس کیا کام دیگی جو بات خود معلوم ہونے والی ہے اسکی تحقیق کیا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بس اِن تحقیقات کو چھوڑ کہ قبر کا عذاب کیونکر ہوگا۔ اس کی تلاش کر کہ اس سے نجات کی سبیل کیا ہے۔ اگر نجات ہوگئی اور کیفیت عذاب قبر کی نہیں معلوم ہوئی تو ہمارا ضرر ہی کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ نقصان ہی کیا ہوگیا۔ پھانسی سے رہائی ہوگئی اور یہ تحقیق نہ ہوا کہ کیونکر جان نکلتی ہے تو اِس کا ضرر کیا۔ بخلاف اس کے اگر یہ تحقیق بھی ہوگیا مگر جان نہ بچی تو نفع کیا ہوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قربان جایئے ہمکو کیسی اچھی تعلیم فرمائی ہے کہ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ۔ جس کام سے کوئی غرض متعلق نہ ہو اُس کو چھوڑ دو اگر حکمت کسی حکم کی نہ معلوم ہوئی تو اُس پر ہمارا کام کونسا اٹکا ہے۔ اگر بے حکمت سمجھے کر لیا تو حرج کیا ہوا۔ لوگ اِس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم مخالفین کا بھی تو کچھ جواب دیں تو کیا بس اُنکے لیئے یہی جواب ہے کہ ہر ہر حکم کی حکمت بتلائی جاوے۔ کہ یہ جواب دیدیا کرو کہ ہم عالم نہیں علماء سے پوچھو۔ پھر عالم لوگ آپ نمٹ لیں گے تم کس فکر میں پڑے۔ مولانا نعیم صاحب لکھنوی سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی بابت کیا تحقیق ہے کون حق

تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ تمھارا سوال ہے یا کسی اور کا انھوں نے کہا کہ فلاں حافظ جی نے پوچھا ہے دریافت فرمایا کہ وہ کیا کام کرتے ہیں کہا جوتے سیتے ہیں اور تم کیا کرتے ہو عرض کیا میں کپڑا رنگتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو تمھارے پاس یا حافظ جی کے پاس ان کا مقدمہ نہیں آویگا تم جاکر اپنا کپڑا رنگو اور حافظ جی اپنے جوتے سیئیں تمھارے پاس مقدمہ آوے تو کہہ دینا کہ ہمارے حد اختیار سے خارج ہے۔ اُن کے مقدمہ کا فیصلہ اللہ میاں کے یہاں ہو رہیگا تمھیں اس کی تحقیقات کی ضرورت ہی نہیں تم اپنے کام میں لگو کس جھگڑے میں پڑے۔ اگر کوئی ادنیٰ درجہ کی رعایا سے پوچھے کہ وزیر کوئی جرم کرے تو اسکی کیا سزا ہے تو وہ یہی کہیگا کہ میرے پاس اس کا مقدمہ ہی نہ آویگا میں کیا جانوں۔ اسی طرح جن کے پاس حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا مقدمہ جاویگا وہ خود جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے عوام کو کیا بحث۔ مگر علماء کے اخلاق نے عوام کے دماغ کو خراب کر دیا ہے۔ میں تو ایسے علماء ہی پر الزام لگاتا ہوں ؎

سعدی از دست خویشتن فریاد		ہر کس از دست غیر نالہ کند

اگر کسی نے حکمتیں پوچھیں بس انھوں نے حکمتیں بیان کرنا شروع کر دیں اس کے بعد کہیں اسمیں شبہ کہیں اسمیں شبہ۔ البتہ اگر کسی قانونی مولوی سے کوئی حکمتیں پوچھے وہاں صاف جواب ملیگا کہ حکم پوچھو حکمت نہ پوچھو ایک شخص نے مجھے لکھا کہ فلاں حکم شرعی میں کیا حکمت ہے میں نے پوچھا کہ آپ کے سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے تم خدا تعالیٰ کے فعل کی ہم سے حکمت پوچھتے ہو ہم تمھارے ہی فعل کی حکمت تم سے پوچھتے ہیں اور ہم نہیں بتلاتے کہ کیا حکمت ہے جاؤ۔ کئی دن ہوئے ایک صاحب نے پوچھا کہ فلاں فتوے پر آپ کی مہر ہے میں نے کہا کہ آپ کیوں تفتیش کرتے ہیں کیا آپ میرے انسپکٹر ہیں یہ کیوں پوچھتے ہو اس پر کوئی تمھارا کام اٹکا ہوا نہیں ہے انھوں نے کہا کہ آپ سے تعلق ہے اور لوگ پوچھتے ہیں میں نے کہا کہ آج سے تعلق قطع کر دو دل سے محبت نکال دو اور اگر محبت رکھنے تو ہمارا یہ کہنا مانو کہ یہ سوال مت کرو۔ علماء نے عوام کے اخلاق خراب کر دیئے۔ ایک صاحب کا جو کہ سب انسپکٹر تھے میرے پاس خط آیا انھوں نے یہ لکھا کہ کافر سے سود لینا کیوں

علماء کے اخلاق نے عوام کو خراب کر دیا

حرام ہے۔ میں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ کافر عورت سے زنا کیوں حرام ہے اس پر شکایت کا
خط آیا کہ علماء کو ایسا خشک جواب نہ دینا چاہیئے۔ میں نے اس خط کا کچھ جواب نہیں دیا۔
اتفاق سے ایک مقام پر وہ مجھ سے ملے میں نے تو انھیں پہچانا نہیں وہ مجھے پہچانتے تھے انھوں
نے مجھ سے اس خط کا ذکر کر کے کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے وہ خط بھیجا تھا میں نے کہا
آہا آپ سے تو بڑی پرانی بے تکلفی نکلی کہنے لگے آپ نے ایسا خشک جواب کیوں دیا تھا میں
نے کہا کہ آپ سب انسپکٹر ہیں مجھے یہ بتلایئے کہ آیا آپ کا برتاؤ سب کے ساتھ خصوصیت
کا ہے یا بعضوں کے ساتھ ضابطہ کا بھی ہے انھوں نے کہا کہ سب کے ساتھ خصوصیت
کا برتاؤ نہیں ہو سکتا جو خاص ملنے والے ہیں ان سے خصوصیت کا معاملہ ہے باقی سب سے
محض ضابطہ کا میں نے کہا تو بس آپ بھی یہی سمجھ لیجئے کہ ہم لوگ بھی یوں ہی کرتے ہیں
صرف بے تکلفوں سے ہمارا خصوصیت کا برتاؤ ہے باقی اوروں سے ضابطہ کا۔ چونکہ
آپ سے پہلے سے ملاقات نہیں تھی اس لیے آپ کے حالات وخیالات کا اندازہ نہیں ہو سکتا
تھا اس لیئے ہم نے ضابطہ کا جواب دیا لیکن اب آپ کے پاس ایسا جواب نہ پہونچے گا۔
مگر جیسا کہ اس ملاقات کا اثر میرے اوپر ہوا ہے آپ پر یہ اثر ہوگا کہ اب آپ بھی ایسا بیہودہ
سوال کبھی نہ کریں گے میں نے سوچا کہ جب میں اپنے کو مقید کر رہا ہوں تو انھیں بھی کیوں
نہ مقید کروں انھیں کیسے یوں ہی چھوڑ دوں۔ لوگ ایسے ہی فضول سوالات کرنے لگے ہیں۔
کیرانہ کا قصہ ہے ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ نماز پانچ وقت کیوں مقرر ہوئی اس میں کیا مصلحت
ہے میں نے ان سے پوچھا کہ تمھاری ناک آگے کیوں لگی ہے پیچھے کیوں نہ لگی یہ سن کر بڑے
دنگ ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ میاں نے ایسی ہی بنادی میں نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ
نماز بھی میرے اباجان کی بنائی ہوئی نہیں ہے یہ بھی اللہ میاں ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ کیا
لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ احکام مولویوں کے تصنیف ہیں۔ ایک بڑھیا کی حکایت یاد
آئی جب حج میں صفا مروہ کے دو تین چکر لگا چکی تو ہاتھ جوڑ کر مطوف سے کہتی ہے کہ مولوی
صاحب اب چلا نہیں جاتا اللہ کے واسطے معاف کر دو اس نے جواب دیا کہ میرے گھر کی
تو بات نہیں مت چل تجھے اختیار ہے غرض احکام شرعیہ سب اللہ میاں کے بنائے ہوئے ہیں

انھیں سے حکمتیں پوچھ لینا وہ یا تو زبان سے جواب دیں گے یا ہاتھ سے اور زبان سے کیوں دینے لگے ہاتھ ہی سے جواب دیں گے فقط اتنی بات کہ خدا کا حکم ہے یا نہیں یہ تو تحقیق کر لو پھر یہ مت دیکھو کہ اس میں کیا حکمتیں ہیں حکمتیں حکم مقرر کرنے والا جانے ہمیں امتثال سے

مطلب اس طرز کی برکت انشاء اللہ ایک دن وہ بھی آجاویگا کہ حکمتیں اور اسرار بھی معلوم ہو جاویں گے شاید کسی کو بہت ہی شوق ہو میری تقریر سنکر وہ کہتا ہوگا کہ انھوں نے تو بالکل بندش ہی کر دیا جی میں ارمان ہی رہگیا سو میں بشارت دیتا ہوں کہ اگر اسرار جاننے کا شوق ہے تو یہ طرز یعنی اطاعت اختیار کیجئے یہ وعدہ بلکہ دعوی تجربہ کی بنا پر کرتا ہوں کہ اطاعت سے ایک نور اس کے قلب میں ایسا پیدا ہوگا جس سے یہ حالت ہوگی کہ ؎

بینی اندر خود علوم انبیا	بے کتاب و بے معید و اوستا

خود بخود اس کے قلب میں اسرار جھلکیں گے اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک شخص بغاوت کرتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ میں شاہی اسرار پر مطلع ہو جاؤں خزانہ شاہی کے حالات معلوم ہو جائیں بلکہ شاہی بیبیوں کے خط و خال اور حسن و جمال تک کا مشاہدہ کر لوں تو بادشاہ اس کے اتنے لگا دیگا کہ یہ بھی یاد رکھے۔ اگر اسرار معلوم کرنا چاہتے ہو تو فدا ہو جاؤ بادشاہ پر فدوی جو آج کل لکھا جاتا ہے یہ شاہی زمانہ میں بڑا رتبہ تھا جس سے بہت ہی زیادہ خصوصیت ہوتی تھی اس کو فدوی کا منصب دیا جاتا تھا اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ بادشاہ کے فدائیوں اور جان نثاروں میں ہیں پرانے زمانہ کی مہریں میں نے دیکھیں ان میں بعضے ناموں کے ساتھ فدوی لکھا ہے یہ بڑی خصوصیت کا رتبہ تھا عاشق کا ہم معنی ہے تو بس تم بھی حق کے فدوی ہو جاؤ۔ کامل اطاعت اور جان نثاری کی شان پیدا کرو۔ عجب نہیں وہ دن آوے کہ بادشاہ خوش ہو کر خود ہی کہے کہ آؤ میں تمھیں اپنا خزانہ دکھلاؤں اور خزانہ شاہی پر لیجا کر کھڑا کر دے کہ یہ جواہرات ہیں اور یہ محلات ہیں اور عجب نہیں جو زیادہ مہربان ہوا اور زیادہ اعتماد ہو جاوے تو محل سرائے میں بھی لیجا کر دکھلا دے کہ یہ ہماری بیبیاں ہیں یہ ہماری باندیاں ہیں وہاں تمام اسرار اسے نظر آجاویں گے۔ بس اطاعت ہی اس کا طریقہ ہے خدا جانتا ہے تر کا استدلال سے اطلاع نہیں ہوتی ہیں جس کو ہوئی ہیں اسرار

منکشف ہوئے ہیں۔ خود رائی کے چھوڑنے سے حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

فکر خود رائے خود در عالم رندی نیست
کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

دیکھئے خود رائی کو کفر کہتے ہیں جنھوں نے اپنے کو فدا کر دیا اور بلا تقبیش اور بلا چون چرا کامل اطاعت اختیار کی اُن کو حق تعالیٰ اپنے اسرار پر مطلع کر دیتے ہیں یعنی القا و بیدا نہیں کر دیتے ہیں کہ اُن کو اطمینان ہو جاتا ہے کوئی شبہ و شک نہیں رہتا اور اس مرتبہ کا نام صدیق ہے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مرتبہ تھا ایسا شخص نہ معجزہ کا طالب ہوتا ہے نہ کرامت کا اُس کا قلب گواہی دینے لگتا ہے کہ یہ حق ہے اسکو کبھی وسوسہ نہیں ہوتا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ... نبی ہوں آپ نے فوراً التصدیق کی اور پڑھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں فلما تبینت وجھہ عرفت انہ لیس بوجہ کذاب طلب سے بھی صدیقیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے جیسا عبداللہ بن سلام نے حضور کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہے سچ ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہل دلی

اس کا ترجمہ مولوی ابو الحسن صاحب نے کیا ہے ؎

مرد حقانی کے پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اور یہاں میں ایک بات قابل یاد رکھنے کے بتلاتا ہوں کہ ایسی شہادت ہر شخص کے قلب کی معتبر نہیں ہے بلکہ اہل دل کی معتبر ہے یعنی جس کی طرف علما، صلحا، اتقیا متوجہ ہوں وہ درویش کامل ہے اور جس کی طرف عوام زناکار شرابی اہل مال و جاہ رجوع ہوں وہ درویش نہیں اہل تقویٰ کی آنکھ میں جو سما گیا وہ کامل ہے بہت شعبدہ باز مکار اس زمانہ میں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کی طرف عوام ہجوم کرتے ہیں ایسے ایسے سائل گداگر آتے ہیں کہ ڈیوڑھی پر کھڑے بتلا دیتے ہیں کہ دیکھو فلانی الگنی پر یہ کپڑا پڑا ہے ہم وہی لیں گے لوگ ہیبت کے مارے لا کر دیدیتے ہیں کہ شاہ صاحب بڑے غیب داں ہیں حالانکہ

وہ غیب داں نہیں بلکہ عیب داں ہیں۔ عوام ایسے کو سمجھتے ہیں کہ بڑا بزرگ ہے گھر کی بات بتلادی اگر بزرگ ہوتے تو بھیک کیوں مانگتے ایک ایسے ہی شاہ صاحب ہمارے دروازہ پر پہونچے اور صدا لگائی۔ اندر سے کچھ آٹا بھیجا گیا لیکن آٹا بھلا وہاں کیا قبول ہوتا لمبی چوڑی فرمائشیں شروع کیں میں اوپر تفسیر لکھ رہا تھا دیر تک جھک جھک چق چق ہوتی رہی۔ میرا جی گھبرا یا بالآخر خود مجھے نیچے آنا پڑا دیکھا تو ایک نہایت وجیہ شخص ہیں بڑا جوعہ زیب تن کئے ہوئے لنگی باندھے ہوئے بڑا سا عمامہ باندھے تسبیحیں بہت سی گلے میں ڈالے۔۔ عصا ہاتھ میں لیے جیسے کوئی شیخ المشائخ ہوں۔ میں نے کہا شاہ صاحب کیا تکرار ہے کہا ہم نقد لینگے ہم آٹا نہیں لیتے میں نے کہا شاہ صاحب جس کو جو توفیق ہو وہی لے لینا چاہیئے نہیں آٹے کی توفیق ہوئی اسی کو قبول فرمالیا جاوے میرے پاس کوئی عبا نہیں ہوتی قبا نہیں ہوتی سادہ کرتہ پاجامہ پہنتا ہوں مجھے انھوں نے دھمکانا شروع کیا اور بڑے زور میں آکر پڑھا ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست | شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

میں نے کہا کہ جناب آپ کو بھی تو یہی خیال کرنا چاہیئے کہ ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست | شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

پھر تو شاہ صاحب بڑے چکرائے اور سمجھے کہ یہ تو طالب علم نکلا اس سے بیڈھب پالا پڑا پھر میں نے سختی کے ساتھ کہا کہ آپ کی عقل ماری گئی ہے آپ نے میری نرمی کی قدر نہ کی اب یا تو آپ سیدھی طرح سے اپنا راستہ لیجئے ورنہ میں کان پکڑ کر باہر کردوں گا بس پھر دم بھی نہیں مارا چپکے چلے گئے ایسوں کا یہی علاج ہے۔ شاہجہانپور میں ایک بنا ہوا فقیر اہو سنجا پٹھانوں کے پاس جاکر کہا کہ میں یہاں قطب ہوکر آیا ہوں مجھپر ایمان لاؤ پٹھان بیچارے سیدھے سادے ہوتے ہیں انھوں نے کہا اچھا بھائی تم قطب سہی ایک پٹھان بڑے چلتے ہوئے تھے اُن کے پاس بھی جاکر یہی کہا کہ میں یہاں قطب ہوکر آیا ہوں انھوں نے کہا کہ ہاں آپ قطب ہوں گے لیکن میں تصدیق نہیں کرسکتا کیونکہ آپ کے پہلے میں یہاں کا قطب تھا میرے پاس آپکے قطب ہونیکی اطلاع نہیں پہونچی بلا اطلاع میں آپکو چارج نہیں دیتا

یا تو آپ اپنی تقرری کی چٹھی میرے پاس بھجوایئے ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ باغی ہیں اور شہر سے پٹوا کر نکلوا دوں گا غرض انھوں نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اُسکو پیچھا چھڑانا مشکل پڑ گیا اور سوچا کہ بھائی یہاں دال نہیں گلے گی اور دوسرے ہی دن غائب ہو گئے اس خوف سے کہ کہیں پٹ پٹا نہ جاؤں ساری قطبیت ختم ہو گئی مگر عوام الناس کے اعتقاد کی یہ کیفیت ہے کہ میں ایک دفعہ مسجد سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ننگ دھڑنگ لنگی زمین پر بچھائے ہوئے اُس پر بیٹھا ہوا ہے اور ایک مجمع کا مجمع مسلمان ہندو چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے ہیں جیسے شمع کے گرد پروانہ غور کیا تو یہ وہی شخص تھا جس نے ہماری مسجد میں تھوڑی دیر پہلے آکر جھپڑ کاؤ کیا تھا اُس وقت تو لنگی باندھے ہوئے تھا اور باہر لنگی اُتار کر ننگا جا بیٹھا خدا کی مار پھر عصر کے وقت مع لنگی کے مسجد میں موجود میں نے پوچھا کہ تم بلا لنگی کے باہر کیوں بیٹھے تھے بس اِس پوچھنے پر خفا ہو کر چلے گئے۔ بعض کا گمان تھا کہ قطب ہے اگر ایسے ایسے لوگ بھی قطب ہونے لگے تو پھر دنیا میں کوئی اہل باطل ہی نہیں۔ آجکل یہ حالت ہے کہ جو جتنا شریعت سے دور اُتنا ہی وہ خدا رسیدہ اور مقبول اور جو شخص جتنا شریعت سے قریب بس مُلا ہے یا درکھیئے جسکو آنکھوں والے کہدیں کہ یہ کامل ہے وہی کامل ہے ورنہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اندھوں نے ہاتھی کا حلیہ بیان کیا تھا اندھوں کی آنکھیں تو ہاتھ ہوتی ہیں۔ اندھوں کے شہر میں ایک ہاتھی کہیں سے پہونچ گیا جلسہ ہوا کہ تحقیقات ہوگی ہاتھی کیسا ہوتا ہے ایک ایک کرکے سب پہونچے اور ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر حلیہ دریافت کیا ایک نے آکر کہا کہ سانپ کے مشابہ ہوتا ہے اُس نے سونڈ ٹٹولی تھی دوسرا بولا نہیں مور چھل کی طرح ہوتا ہے اُس کا پونچھ پر ہاتھ پڑا ہوگا تیسرا آیا کہ پنکھے کی مانند ہوتا ہے اُس نے کان دیکھا تھا ایک نے کہا نہیں تخت کے مشابہ ہوتا ہے اُس نے کمر دیکھی تھی پھر آپس میں خوب لڑائی ہوئی اگر کوئی سوانکھا وہاں ہوتا تو وہ کہتا کہ سب جھوٹے ہو اور سب سچے ہو سب نے ایک ایک جز دیکھا ہے پورا ہاتھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اِسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ	چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

سوانکھیں اطاعت کی برکت سے کھلتی ہیں ایسا ہی شخص خدا کو بھی اور خدا والوں کو بھی

پہچانتا ہے حکموں کو بھی جانتا ہے اور اُن کی حکمتوں کو بھی گو اجمال ہی کے درجہ میں سہی
لیکن اسقدر علم ضرور دیدیا جاتا ہے کہ اُس کی تسلی ہوجاوے ۔ تسلی وادہر یک لے ـ
ہمیں ضرورت صرف اتنے ہی علم کی ہے کہ شبہات رفع ہوجاویں البتہ انبیا کو زیادہ
علم کی ضرورت ہے سو اطاعت کی برکت سے اتنا علم ضرور ہوجاتا ہے کہ پھر شبہ نہیں ہوتا
اہل اللہ کو دیکھا انھیں وساوس کبھی نہیں آتے وساوس کا علاج سوائے اطاعت فنا
کے کچھ نہیں خوب سمجھ لو اور اُس کے متعلق ایک اور ضروری بات سمجھائے دیتا ہوں
کہ یہ برکت اطاعت میں جب ہوگی کہ اُسکو بقصد اطلاع اسرار نہ اختیار کیا جاوے ورنہ
کچھ بھی نہ ہوگا ۔ یہ تو غرض کے واسطے اطاعت ہوئی جیسے کوئی بادشاہ کے یہاں صبح و
شام ہر روز دو بار حاضری دے آیا کرتا ہے اور لوگوں کے پوچھنے پر کہدیتا ہے کہ میں اس
خیال سے جایا کرتا ہوں کہ مجھے خزانہ شاہی کا حال معلوم کرنا ہے شاید مہربان ہوجاوے
اور خزانہ میں آنے جانے کی ممانعت مجھ سے اُٹھا دی جاوے خفیہ پولیس نے خبر لگا کر بادشاہ
کو اُس کے مقصود سے مطلع کیا کہ حضور یہ آپ کا طالب نہیں ہے آپ کے اسرار معلوم کرنا
چاہتا ہے اُس کو بھید لینا ہے آپ کے خزانوں کا عیب نہیں بادشاہ اُس کی اس حرکت
پر اُسی دن حکم دیدے کہ دربار کی حاضری بند ایسے شخص کو ہرگز نہ آنے دیا جاوے مگر بادشاہ
کو تو اس کی نیت کی اطلاع خفیہ پولیس کے ذریعہ سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو تو بلا واسطہ
اطلاع ہے ۔ اگر اس غرض سے اطاعت کسی نے شروع کی کہ اُس کو اسرار کی اطلاع ہوجاوے
تو یہ غرض کی اطاعت ہوئی پھر نہیں ہوگی اطلاع ـ

اطاعت اطاعت کی غرض سے کرنا چاہیئے اسرار کا قصد ہی نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ بقدر
آپ کی تسلی کے اسرار کی بھی اطلاع کردیں گے بس طریق یہ ہے جس کو اہل اللہ نے تجویز کیا
ہے اس لیئے وہ اسرار قصداً انہیں بیان کرتے سب جوابوں کا جواب یہی دیتے ہیں کہ ہم
نہیں جانتے یا ہم نہیں بتلاتے بجز اس کے کہ مالک اور محبوب کا حکم ہے کرنا چاہیے اور یہی
وہ مبنیٰ ہے جو اعمال کے سب معراج کی روح ہے اور جو ملتا ہے اس وعظ کے روح الارواح
کے ساتھ مسمّٰی ہونے کا پس اصل جواب مشترک تو اس سوال کا جو کہ شروع وعظ میں

مذکور ہے کہ احکام میں کیا مصلحتیں ہیں یہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر عمل اور حکم میں جُدا جُدا اسرار اور مصالح بھی ہیں جو محققین کے کلام میں پائے جاتے ہیں سو اس پر تو سب کا اتفاق ہوا کہ احکام میں مصالح ہیں لیکن ان مصالح کے متعلق دو جماعتوں میں دو قسم کی غلطیاں واقع ہو گئی ہیں ایک ان میں جو محض اہل ظاہر ہیں ایک ان میں جو محض اہل باطن ہیں ان ہی دو جماعتوں کو میں نے شروع وعظ میں بلفظ بعض علماء تعبیر کیا ہے اور ان کے مقابل ایک تیسری جماعت جو محققین ہیں وہ ان سے محفوظ ہیں اور ان کا مسلک وہی فیصلہ ہے اُن اہل اختلاف کی اغلاط کا اس وقت ان ہی دونوں غلطیوں کی اصلاح مقصود ہے اور وہ ایک معرکہ کی بات ہے اور اس وقت اسی غرض سے اس آیت کی تلاوت کی گئی ہے بیان اُس کا یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ شرائع میں حکمتیں ہیں جن کے دوسرے نام روح اور مغز اور جوہر اور حقیقت اور اسرار ہیں مگر باوجود اس اتفاق کے اُن کے ساتھ معاملہ غیر محققین کا مختلف ہوا البتہ محققین جو کہ جامع ہوتے ہیں ظاہر و باطن اور صورت و حقیقت کے وہ حکمت باطنی اور صورت ظاہری دونوں پر عمل کرتے ہیں مثلاً صورت بھی بناتے ہیں نماز کی اور اُس کی حکمت کہ توجہ الی اللہ ہے جو اُس کا مغز ہے اُس کا بھی اہتمام کرتے ہیں پس وہ دونوں کو جمع کرلیتے ہیں۔ باقی غیر محققین میں سے جو محض اہل قال ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ عمر بھر صورت ہی پر اکتفا کرتے ہیں روح یعنی توجہ الی اللہ کی طرف التفات نہیں کرتے نہایت ناداں ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں سب کچھ ہے سمت قبلہ بھی وضو بھی رکوع بھی سجدہ بھی مگر مقصود اعظم کی فکر نہیں نہ توجہ اور نہ اسکی تحصیل کی کوشش بس ہم سوالوں کی نماز یہ ہے پھر سمجھتے ہیں کہ کامل نماز ہے مگر یہ غلطی محض عملی ہے اور اس کے ساتھ ہی باطن کے وہ منکر نہیں۔ اب رہ گئے وہ غیر محققین جو محض اہل باطن سمجھے جاتے ہیں وہ صوفیہ منکرین ہیں ظاہر شریعت کے اُن کی حالت یہ ہے کہ انھوں نے صرف باطن کو دیکھا انھوں نے سمجھا کہ توجہ مقصود اصلی ہے انھوں نے صورت کو بالکل ہی اڑا دیا انھوں نے سمجھا کہ نماز رکوع سجدہ پوست ہے مغز نہیں مقصود محض مغز ہوتا ہے پوست حذف کر دیا جاوے انھوں نے توجہ کو کافی سمجھا لہذا صورت ارکان کو انھوں نے بیوقعت قرار دیا حتیٰ کہ

بعضوں نے صاف کہدیا کہ نماز بہیئت کذائیہ فرض نہیں اسی طرح ستر عورت کی روح لباس تقویٰ عن الحرام قرار دیکر اور اُس کو اپنے نزدیک حاصل کر کے سمجھے کہ ظاہر بدن کا ڈھکنا فرض نہیں برہنہ رہنا جائز ہے روزہ کی حقیقت تجو یمیہ کا توڑنا سمجھے اُس کو اپنے زعم میں توڑ ڈالا اب ضرورت روزہ کی نہیں حج کی روح معیت مع اللہ اور کیفیت محبّت و عشق کی نکالی اور بزعم خود کیفیت عشق و محبت کی حاصل کر کے اپنے زعم میں جو حج کا مقصود تھا وہ حاصل کر لیا اور اپنے مشرب کے لیے بزرگوں کے کلام ذو وجوہ سے استدلال کیا اور اپنے مذاق پر ڈھال کر تمام احکام پر ایسا ہی تصرف کیا اور شریعت طاہرہ کو اُڑا دیا اور اہل ظاہر پر طعن کیا کہ زکوٰۃ پر خوش ہیں حالانکہ جب تک حبّ مال نہ زائل کریں تو سب بیکار ہے غرض اہل صلوٰۃ اہل زکوٰۃ پر طعن کئے اور اُن پر ہنسے جس کا انجام اُن کے لئے کفر اور دوسروں کے لئے مطلق العنانی ہوا پھر اُنھوں نے تو ریاضت مجاہدہ کے بعد یہ کیا دوسروں نے بلا ریاضت مجاہدہ نماز روزہ چھوڑ کر فسق و فجور اختیار کیا طوائفوں میں کھڑے منھ کالا کیا اور کسی نے اعتراض کیا تو کہدیا کہ میاں ہمہ اوست کون کرتا ہے کون کراتا ہے ایسے لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کوشش کو مٹانا چاہا لیکن اسلام کے حافظ حضرت حق ہیں اُنکا وار چلا نہیں مگر اُنھوں نے کوتاہی نہیں کی شریعت بزبان حال اُنسے خطاب کر رہی ہو گی

قتل این خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود	ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نہ بود

تمنے تو کسر نہ چھوڑی مہر اسٹنا مقدر نہ تھا نہ مٹا سکے خدا کا ہاتھ میرے سر پر تھا۔ خدائی چراغ کو کوئی نہیں بجھا سکتا بس ایک جماعت نے روح کی طرف التفات نہیں کیا اور ایک نے صورت کی ...... طرف لیکن پھر بھی اُن دونوں میں تفاوت عظیم ہے جنھوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا اُنھوں نے روح کا انکار نہیں کیا اور جنھوں نے صرف روح کو لیا اُنھوں نے صورت کا انکار کیا نیز جنھوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا وہ روح کو بالکل چھوڑے ہوئے نہیں ہیں یہ ایک باریک بات سمجھنے کے قابل ہے یعنی روح کے درجات متفاوت ہیں صوفیہ نے روح کے بعض درجات کو ذکر کیا ہے رمضان کے وعظوں میں میں نے انھیں ارواح کو بیان کیا ہے لیکن ارواح میں اُنکے علاوہ اور مراتب بھی ہیں گو اُنسے ضعیف ہوں

جیسے انسان زندہ ہوتا ہے روح حیوانی سے اور اس کے مراتب مختلف ہیں ایک پہلوان
قوی الجثہ کے اندر روح ہے اس کی روح ایسی قوی ہے کہ چلتا پھرتا ہے شہ زوروں کو
اٹھا کر پٹک دیتا ہے سیر سیر بھر کھا جاتا ہے بیسیوں کو قتل کر دیتا ہے - ایک ایسے بیمار کی روح
ہے جو چار برس سے مدقوق ہے اور اس کی دق درجہ ثالث کو پہونچ گئی ہے کھانا پینا بھی
نہیں جاتا آنکھ کھولنے میں بھی تکلیف اس کی روح بہت ضعیف ہے لیکن ایسی با قدر
ہے کہ اس کی خاص طور سے حفاظت کیجاتی ہے اس کو مضرات سے بچایا جاتا ہے اس کی
ایسی قدر ہے کہ گو وہ خود ہی چار دن بعد مرنے والا ہو لیکن اگر کوئی اس کو مار ڈالے تو پھانسی
ہوگی قوی الجثہ پہلوان اور مریض مدقوق دونوں کے مار ڈالنے میں ویسی ہی پھانسی ہوگی
بلکہ جو ایسے مریض کو مار ڈالے تو اس کو علاوہ پھانسی کے یہ بھی ملامت کیجاویگی کہ شرم نہیں
آئی مرتے کو مارا قانون کے مرتبہ میں پھانسی اور جج کے طور پر ملامت پس ایسا مریض گو
کمزور ہے لیکن روح سے خالی نہیں گو روح ضعیف سہی اسی طرح اعمال کی روح کو سمجھو
پس منکرین ظاہر کہتے ہیں کہ صورت کو لیکر بیٹھے ہیں یہ معترض نادان یہ نہیں جانتا کہ یہ صورت
محضہ نہیں ہے اس میں بھی روح ہے گو ادنیٰ درجہ کی سہی - پس جس وقت نیت نماز کی
باندھی وہی نیت روح ہے نماز کی چنانچہ اگر نیت نہ ہو روزہ صحیح نہ ہو خواہ دن بھر کچھ
نہ کھائے نہ پیئے روزہ کی شرط نیت ہے اور نیت فعل القلب ہے جب نیت کی بس روح متحقق
ہوگئی جنیدؒ و شبلیؒ کے اعمال میں بڑی قوی روح ہے کہ نیت بھی زیادہ خالص اور توجہ
الی اللہ بھی [illegible] ہمارے اعمال میں ضعیف ہے لیکن ہے ضرور مگر اس ضعیف روح کا بھی
جو شخص حق ضائع کریگا وہ بھی سرکاری مجرم ہوگا - چنانچہ ان مدعیان تصوف نے اس روح کا
حق ضائع کیا - اور عجب نہیں جنیدؒ کی نماز سے زیادہ سرکار عالی میں ہماری نماز کی حفاظت کیجاوے
کیونکہ اس میں بہت ہی ضعیف روح ہے کہیں نکل نہ جاوے - خیر یہ تو لطیفہ ہے - ہمیں
یہ ثابت کرنا ہے کہ ہماری نماز زکوٰۃ بے روح نہیں اس مدعی نے ہماری زکوٰۃ پر اعتراض کیا
کہ زکوٰۃ دینے سے کیا ہوا جبکہ صفت بخل زائل نہ ہوئی - لیکن اس نے یہ نہ دیکھا کہ اتنی تو
بخل کی صفت گئی کہ پچاس روپئے دیدیئے - غرض ہماری زکوٰۃ بالکل بے جان تو نہیں

معترض نے ہماری نماز زکوٰۃ کو پوست بے مغز سے تشبیہہ دی لیکن وہ تشبیہ غلط ہے البتہ
اس کی تشبیہ ہے پوست با مغز کم روغن کے ساتھ مغز ہے لیکن کم روغن ہے سو کیا
دوکھا مگر ہے ضرور ایسا ہے کہ جتنا روغن اچھے مغز سے ایک سیر میں نکلتا یہاں چار سیر میں
سے نکلے گا حضرت جنیدؒ کی دو رکعتیں ہماری ہیں رکعتوں کے برابر ہوں گی جمع ہو کر انشاء
اللہ تعالیٰ با مغز کے برابر ہو رہیگا الحمد للہ یہ علم عظیم آج ہی عطا ہوا ہے گو یہ مضمون ذہن میں
مدت سے تھا لیکن مبہم تھا اس کی تفسیر کبھی بیان نہیں کرسکا میں سوچتا تھا کہ کیا چیز اٹکی
ہوئی ہے جو زبان پر نہیں آتی سو آج وہ مضمون زبان پر بھی آگیا۔ الحمد للہ غرض نیت بھی روح
ہے گو ادنیٰ درجہ کی روح ہے تو ہماری نماز بے روح نہیں پس ان کے یہاں روح بلا صورت ہے
اور ہمارے یہاں صورت مع الروح الضعیفہ۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن کو دعویٰ نری
روح کا ہے ان کے یہاں روح بھی نہیں اگر میں اول سے یہ دعویٰ کرتا تو تسلیم بھی نہ کیا جاتا
اس لیے اول روح بلا صورت کا دعویٰ کیا اب انشاء اللہ اس کو بھی ثابت کئے دیتا ہوں
کہ روح بھی نہیں اور اس میں جواب ہو جاویگا بعضی ایسی کتابوں کا بھی جن کی نسبت
میرا خیال تھا کہ ان کا جواب ہونا چاہیئے۔ سو بحمد اللہ بلا قصد اس کا آج جواب ہوگیا گو مختصر
ہے لیکن الحمد للہ پورا جواب ہے رنجک تھوڑی سی ہوتی ہے لیکن پہاڑ اڑانے کیواسطے
کافی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ جس کو وہ لوگ بلا نماز کے روح نماز کی سمجھتے ہیں وہ روح نماز ہی
نہیں۔ یہ میرا دعویٰ ہے تحقیق اس کی یہ ہے کہ بعض ارواح کے تحقق کے بعض شرائط ہوتے
ہیں قاعدہ عقلیہ ہے کہ بلا شرط کے مشروط نہیں پایا جاتا پس نماز کی جو روح ہے یعنی توجہ
الی اللہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ بدون نماز کی صورت کے نماز کی اس روح کا تحقق ہی
نہیں ہوتا یعنی جب نماز مع توجہ الی اللہ فرض کی گئی تو اس سے ثابت ہوا کہ مطلق توجہ الی اللہ
نماز کی روح نہیں ہے بلکہ خاص وہی توجہ الی اللہ جو نماز کے ضمن میں پائی جاوے اور ظاہر ہے
کہ بدون نماز کے نہ پائی جاوے گی پس ان کا یہی دعویٰ غلط ہے کہ ہم نے نماز کی روح بدون
نماز کے حاصل کرلی ہے مثلاً روح انسانی کے فیضان کے لئے بدن انسانی کا شرط ہونا معلوم
ہے تو اگر گائے سامنے آوے اور یہ کہا جاوے کہ اس کے اندر روح انسانی ہے تو اسکی کبھی

مدعیان باطن کے پاس ظاہری اعمال کا باطن بھی نہیں کیونکہ نماز کی روح مطلق توجہ نہیں بلکہ خاص وہی توجہ جو نماز کے ضمن میں ہو

کوئی تصدیق نہ کریگا کیونکہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ روح انسانی کا جب تحقق ہوگا
ایسی قالب انسانی میں ہوگا پس کہیں گے کہ گائے کے اندر روح حیوانی ہے روح انسانی
نہیں وہاں اللہ تعالےٰ کے فعل سے یہ بات معلوم ہوئی یہاں اللہ تعالےٰ کے قول سے کہ
ارکعوا اسجدوا ہے مع وعید ترک نماز یہ معلوم ہوا کہ نماز کی روح نماز سے مجرد ہوکر
کبھی پائی نہیں جاسکتی جب قالب نہیں ہے تو روح جسکا دعوی ہے وہ نماز کی
روح ہی نہیں کسی اور چیز کی روح ہوگی چاہے مشابہ روح نماز کے ہو- اب ایک اور ترقی
کرتا ہوں کہ جس طرح وہ نماز کی روح نہیں اسی طرح کسی دوسری چیز کی بھی روح نہیں- پس
کسی قسم کی بھی روح نہیں- تقریر اس کی یہ ہے کہ نماز کی روح اللہ کی یاد ذکر اللہ یا خلوص
یا مثلاً عبادت کی روح محبّت و عشق یہ سب جب پایا جاویگا کسی نہ کسی تشخص کے ساتھ پایا جاویگا
کیونکہ مطلق من حیث ہو مطلق نہیں پایا جاسکتا جب پایا جاویگا کسی تشخص کے ساتھ ہوگا
کلی مرتبۂ کلی میں کبھی نہیں پائی جاسکتی جس طرح کہ انسان جب کبھی پایا جاویگا کسی نہ کسی
شخص کے ضمن میں پایا جاویگا یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ زید بھی نہ ہو بکر بھی نہ ہو اللہ بخش بھی
نہ ہو کوئی نہ ہو اور انسان ہو- اب ہم دیکھتے ہیں کہ روح یعنی توجہ الی اللہ کے جو افراد مطلوب ہیں
وہ اس تشخص کے ساتھ تو مطلوب نہیں جو بلا واسطہ کسی عمل ظاہری کے ہو کیونکہ ان میں کوئی
مشقت و کلفت و مجاہدہ ہی نہیں بلکہ مطلوب خاص وہ افراد ہیں جو ضمن میں کسی عمل ظاہری
کے ہوں پس اگر کوئی عمل ظاہری نہیں تو وہ تشخص نہیں اور کلی من حیث ہو کلی کا وجود ہوتا
نہیں پس وہ توجہ الی اللہ ہی نہ پائی گئی اس لئے ہم کہتے ہیں کہ کوئی روح ہی نہ پائی گئی نہ نماز کی
نہ غیر نماز کی اور اگر کوئی عمل غیر نماز کیا ہے تو صورت کی حاجت ہوئی تو لے مدعی پھر وہی صورت
کیوں نہیں قبول کرتا جو محبوب نے تجویز کی ہم تو تیری نفی صورت کو جب جانتے جب تری روح کو الگ
کھڑا کردیتے جب صورت سے چارہ نہیں تو صورت مجوزہ محبوب سے کونسی اچھی صورت ہوگی- ایک
سیاح نے ایک جوگی کو دیکھا جو قشقہ لگائے ہوئے مندر میں بیٹھا تھا مگر اس کے چہرہ سے نور ایمان
نمایاں تھا کیونکہ ایمان کا نور چھپا نہیں رہ سکتا چاہے لاکھ پردوں میں ہو اس سیاح نے اس جوگی سے
خلوت میں پوچھا تو اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں مسلمان ہوں وجہ اس ظاہری وضع کی دریافت کی

تو کہا اسلام میں قیود بہت ہیں میں آزاد ہوں قیود سے وحشت ہوتی تھی سیاح نے کہا کہ شرم نہیں آتی اطلاق کا دعویٰ ہے تو یہاں بھی قید کفر کی ہے وہاں قید اسلام کی تھی۔ وہاں حرم کی قید تھی تو یہاں گنگا کی قید ہے وہاں سیمائے سجدہ تھا تو یہاں قشقہ ہے وہاں قمیص تھا تو یہاں زنار لنگوٹ ہے غرض اطلاق کا محض دعویٰ ہی ہے آزادی یہاں بھی نہیں ہاں البتہ اتنا فرق ہے کہ ایک قید محبوب کو پسند ہے اور ایک ناپسند۔ پس تنبہ ہوا چونکا فوراً توبہ کر کے مسلمان ہوا اور بزبان حال پڑھا۔ ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی	مرا با جان جاں ہمراز کردی

ایسی غلطیاں بڑوں بڑوں کو ہو جاتی ہیں یعنی عوام کے نزدیک جو بڑے ہیں جن کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لگا ہوا ہے ورنہ دراصل تو بڑا وہ ہے جو متبع شریعت ہو کیونکہ ولایت متفرع ہے نبوت کا جتنا کوئی نبی کے مشابہ ہوگا اتنا ہی وہ بڑا ہوگا حاصل یہ ہے کہ ان کی جو روح ہے وہ روح بھی نہیں ہے موٹی بات ہے کہ گنے کا رس گنے سے حاصل ہو کر پایا جا سکتا ہے۔ انگور سے نہیں جو رس انگور سے حاصل ہوگا وہ انگور کا شیرہ ہوگا گنے کا رس نہ ہوگا گو مشابہ گنے کے رس کے ہو۔ اس راہ میں بہت دھوکے ہو جاتے ہیں بعضوں بڑوں کو بھی دھوکے ہوئے ہیں اور وہ چونکہ مر گئے ہیں اس لئے ہم ان کی شان میں گستاخی کرنے سے زبان کو بچاتے ہیں کہ اللہ کا نام لینے والے تھے۔ یہ اللہ کے نام کا ادب ہے لیکن ان کے مقالات سے ہم قرآن و حدیث کو نہیں چھوڑ سکتے ان کے حق میں یوں تاویل کر لیں گے کہ ان سے غلطی ہوئی حال کا غلبہ ہو گیا غرض جو تاویل ہو سکیگی کریں گے چاہے وہ واقعی ہو یا غیر واقعی جب کوئی نہ مانے گا تو ہم صاف طور سے کہیں گے کہ ہم ان کی نہیں مانتے وہ کوئی نبی نہیں تھے فرشتے نہیں تھے جن کا ماننا فرض ہو یہ طریق ہے بڑا نازک اہل باطن سے جو غلطی ہوتی ہے وہ کفر تک پہنچ جاتی ہے اور اہل ظاہر کی غلطی محض معصیت تک رہتی ہے اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "نحن نخاف الکفر وانتم تخافون المعصیۃ" فرماتے ہیں ؎

ولایت کا مرتبہ نبوت سے نیچا ہے

مغلوب الحال بزرگوں کا ادب لازم ہے

ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار		در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسی است

ہزاروں وسوسے ہزاروں خطرے یہاں تک حالت ہے کہ بعض کے سامنے شیطان ایک سماں پیش کر دیتا ہے جس میں اشکال مثل فرشتوں کے نظر آتے ہیں جو گفتگو کرتے ہیں پھر وہ لوگ کسی مولوی کی نہیں سنتے۔ ایک بزرگ کو روح کا نور منکشف ہوا بوجہ غایت لطافت کے اُس کو وہ نور حق سمجھے اور تیس برس تک اُسی غلطی میں مبتلا رہے تیس برس کے بعد سمجھے کہ یہ نور روح کا تھا سخت حیران ہوا کہ میں اتنے عرصہ تک شرک میں مبتلا رہا اسی واسطے بہت بڑے شیخ کامل محقق جامع بین الظاہر والباطن کی ضرورت ہے جس کی یہ شان ہو ؎

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن		بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق

یہ نہ تنہا صاحب ظاہر کا کام ہے کہ صاحب ظاہر اہل باطن کی غلطیاں نہیں نکال سکتا نہ تنہا صاحب باطن کا کام ہے کہ اُس کی بھی نظر ناتمام ہے اس وجہ سے بہت بڑے جامع بین الظاہر والباطن کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ کہ ایسا جامع شخص اس زمانہ میں حق تعالے نے پیدا فرما کر دکھلا بھی دیا اُس شخص کا نام ہے امداد اللہ (ان الفاظ کو نہایت جوش وخروش سے فرمایا اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے جس کا اثر سامعین پر بیحد پڑا اور بہت سے لوگوں پر جن میں بعضے انگریزی خوان بھی تھے بے اختیار گریہ طاری ہو گیا بعد کے کلمات اسی جوش وخروش سے بمشکل گریہ کو ضبط فرما فرما کر متغیر لہجہ میں فرماتے رہے) یہ شخص فن تصوف کا مجتہد تھا مجدد تھا امام تھا اس نے کفر وایمان کو بالکل الگ کر دیا حق و باطل کو جدا کر دیا فن کو ایسا صاف کیا ہے کہ کہیں گنجلک نہیں رہی ظاہری حالت بالکل معمولی تھی نہ جبہ تھا نہ عبا تھا نہ قبا تھا نہ کچھ ویسے ایک شیخزادہ معلوم ہوتے تھے لیکن سبحان اللہ حق تعالی نے اس شخص میں کیا کمال رکھا تھا جب ہی تو بڑے بڑے علما نے اُدھر رجوع کیا۔ مگر حق یہ ہے کہ اُس شخص کو سب علما نے بھی نہ پہچانا انھوں سے یہ مذکورہ غلطیاں رفع کی ہیں (گریہ وجوش وخروش جاری ہے) ہم بیہودہ ناسمجھ لوگ ہیں ایک وہ کہ صوفیہ میں جو

ذرا ظاہر کے خلاف نظر آیا اُسے گمراہ سمجھے اور ایک وہ زمانہ گذرا ہے کہ کوئی صوفی چاہے جتنا گمراہ ہو اُسے بھی کامل سمجھے اِس شخص کی بدولت معلوم ہوا کہ دونوں راہ غلط تھے۔ الحمد للہ اب غلطی ایسی نظر آتی ہے کہ غلطی کرنے والا بھی سمجھ لیتا ہے کہ دکھتی ہوئی پکڑی ہے۔ اگر صاحب تلبیس بھی سنتا ہے اُس کا دل بھی مان لیتا ہے محض یہ کہنا کافر کا فر اِس سے غلطی نہیں نکلتی اِس غلطی کے متعلق جو اعمال کے ظاہر و باطن کے باب میں مذکور ہوئی ہے۔ ایک درویش صاحب سے بھی سوال کیا گیا ہے اُنھوں نے ایک رسالہ کی شکل میں شریعت و طریقت کو ظاہر اور حقیقت و معرفت کو باطن قرار دیکر متبعین نبی کے دو فرقے ٹھہرا دیئے ہیں وہ بھی جو باطن اصطلاحی کو لیئے ہوئے نہیں اور وہ بھی جو ظاہر کے بالکل تارک ہیں اور دونوں کو متبعین نبی بتلایا ہے بلکہ اِن دونوں میں طرف اہل باطن کو ترجیح دی ہے اور اہل ظاہر پر طعن کیا ہے۔ اِس میں ایک غلطی یہ بھی ہے کہ اِن الفاظ کو عمل کے چار درجوں کا نام سمجھے ہیں جن میں اصطلاحی معنی بھی متروک ہو گئے۔ کیونکہ شریعت کہتے ہیں مجموعہ احکام الٰہیہ کو جن میں احکام ظاہر و باطن سب داخل ہیں احکام ظاہری و احکام باطنی میں تضاد نہیں بلکہ احکام ظاہری کے معنی یہ ہیں احکام متعلق بالجوارح مثلاً حکم ہے کہ اقیموا الصّلوٰۃ یعنی نماز پڑھو اور ادائے حقوق کے ساتھ پڑھو اس میں دو احکام ہیں ظاہر و باطن ظاہر ادائے ارکان باعتدال اور باطن اخلاص و خشوع جو حقوق صلوٰۃ میں داخل ہیں متاخرین کے اصطلاح میں احکام باطن کی تحصیل کے طریق کو طریقت کہتے ہیں اور شریعت اِس مجموعہ کا نام ہے طریقت اُسی کا ایک جزو ہے جیسے شریعت کا ایک جزو کتاب الصلوٰۃ ہے ایک کتاب الزکوٰۃ ہے ویسے ہی اُسکا ایک جزو کتاب الشکر ایک جزو کتاب الصبر ایک جزو کتاب الاخلاص ایک جزو کتاب المحبۃ بھی ہے غرض طریقت شریعت ہی کا ایک جزو ہے اُس کے مقابل کوئی چیز نہیں ہے اور شریعت مجموعہ ہے اِن سب کا۔ پھر جب آدمی شریعت پر پورا عمل کرتا ہے تو اِس سے حسب استعداد بعض وجوہ تکوینیہ متعلق بین الحق والخلق کے منکشف ہوتے ہیں مثلاً مسئلہ تقدیر کی تحقیق تجدد امثال کی کیفیت روح کی حقیقت جن کا عدم انکشاف

ایک رسالہ کا خلاصہ اور اس کی تنقید

الفاظ شریعت و طریقت و حقیقت

بھی مضر نہ تھا اور بعض وجود تشریعیہ تعلق مذکور کے منکشف ہوتے ہیں جس کو علم معاملہ
کہتے ہیں اور جس کا انکشاف حسب استعداد لازم ہے۔ ان وجوہ کو حقیقت کہتے ہیں ان
انکشافات سے خدا تعالیٰ کی شناخت بڑھتی ہے اسکو معرفت کہتے ہیں یہ تحقیق ہے ان
الفاظ کی نہ یہ کہ چاروں متقابل و متغائر ہیں جیسے حیدرآباد میں چار منارے ہیں۔ بحمد اللہ
اس تقریر سے سب غلطیاں لفظی و معنوی سب رفع ہو گئیں اور ثابت ہو گیا کہ نرے باطن
پر اکتفا کیا تو محض باطل ہے اور جس کو ظاہر پر اکتفا کرنا سمجھا جاتا ہے وہ محض عاطل نہیں
پس نرا ظاہر والا نرے باطن والے سے اچھا ہے کیونکہ وہاں ظاہر تو خود ان کے اقرار سے
ہے ہی نہیں اور باطن بھی دلیل سے ثابت ہو چکا کہ نہیں اور یہاں ظاہر کے ساتھ باطن
بھی ہے گو کم ہی سہی پس نرا باطن والا زیں سو راندہ وزاں سو ماندہ کا مصداق ہے مسئلہ
تو بفضلہ تعالیٰ ثابت ہو چکا۔ اب اگر مسلم حضرات میں سے کسی نے اس کے خلاف کہا ہے
یا کیا ہے تو اسمیں تاویل کریں گے اور اگر تاویل نہ ہو سکے کہدینگے کہ غلطی ایسے لوگ ہی لیا؛
مستہلکین کہلاتے ہیں باقی یہ کہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا ہو گا یقینی تو یہ حق تعالیٰ
کو معلوم ہے باقی ظن یہ ہے کہ چونکہ نیت بری نہیں تھی ممکن ہے معاف کر دیے جاویں جیسے
اجلاس حکام میں بڑے بڑے خون ناحق نیت بری نہ ہونے سے معاف ہو جاتے ہیں رہا یہ
کہ بعض اقوال و افعال منقولہ تو قاعدہ سے کفر معلوم ہوتے ہیں سو کفر کس طرح معاف ہو سکتا
ہے لیکن یہ ایک دقیق بات ہے جس سے وہ کفر نہیں ہو سکتا اور یہ بھی میں ہی کہہ رہا ہوں
اور کسی مولوی سے تو کہلوا لو اور یہ سب حضرت کا طفیل ہے حضرت کی جوتی سیدھی نہ کی ہوتی
تو ہمکو بھی فتویٰ کفر میں باک نہ ہوتا مگر ہم نے وہاں ادب ہی ادب دیکھا۔ حضرت بہت سے
کفر کے فتوے کے موارد کو بھی یہی فرماتے تھے کہ نہیں صاحب باطن تھے غلطی میں پڑ گئے
جب سے وہاں یہ حال دیکھا ہم بھی ایسے فتوے سے بچنے لگے ہیں ایکبار مولوی محمد احسن
صاحب ایک تارک ظاہر کا کفر ثابت کر رہے تھے اور حضرت انکی تقریر کا رد فرما رہے تھے اللہ
اکبر اسقدر حلم و کرم اور دقت نظر تھی کہ کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے اب میں وہ دقیق بات
مانع عن التکفیر بتلاتا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں اس میں یہ بھی ہے

عن المجنون حتی یعقل اور ایک روایت میں ہے عن المعتوہ حتی یبرا یعنے مختل الحواس بھی مرفوع القلم ہے اور ایک روایت میں ہے عن الخرف رواہا کلہا ابو داؤد اور عقہ جس طرح مرض سے ہوتا ہے اسی طرح دوسرے اسباب باطنہ سے بھی ہو سکتا ہے گو ان اسباب کا ادراک عوام کو نہ ہو بلکہ انیر کی روایت سے تو زوال عقل کا جنون وعتہ میں عدم انحصار زیادہ صحیح ہے بس آپ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ انکی کیا حالت ہوتی ہے بظاہر ہوش و حواس رہتے ہیں فرزند و بیوی سب کا ہوش رہتا ہے لیکن انکی ایک ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اُن کے اقوال و افعال غیر منتظم ہو جاتے ہیں۔ ایسی ہی حالت کو خسرو حیرت سے تعبیر کرکے کہتے ہیں ؎

حیراں شدہ ام در آرزو بیست
ما ئیم و تحیر و خموشی
خسرو بکشند تو ابیرست

اے چشم جہانیاں لبسویت
آفاق ہمہ بگفتگو بیست
بیچارہ کجا رود زکویت

پس ایسے حواس مختل ہو جاتے ہیں کہ پورے ہوش نہیں رہتے کہ صحیح عقیدے کیا ہیں سمجھ میں ایسا تغیر ہوتا ہے کہ آیتوں کے معنی اُلٹ پلٹ کر دیتے ہیں لیکن نیت بُری نہیں ہوتی خلاف خدا و رسول کے قصد نہیں کرتے غلبہ حال میں خیال ہوتا ہے کہ جو میں سمجھتا ہوں وہی ٹھیک ہے باقی سب غلط ہیں سمجھتا ہے کہ میں ہی ٹھیک سمجھا ہوں اور علامت آمیزش نفس نہ ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ وہ کہتا ہے کافر کہنے کا بُرا نہیں مانتا تمہارے کافر کہنے کا تو وہ کیا بُرا مانتا وہ اپنے کو خود فرعون سے بدتر خیال کرتا ہے یہ وجدانی حالت ہے دوسرا سمجھ نہیں سکتا غرض وہ ایک حیرت کی کیفیت ہے وہ پیشوا نہیں ہے معذور ہے کیا عجب حق تعالی معاف کر دے اُسے شریعت کا منہدم کرنا مقصود نہیں حیرت سے پریشان ہو کر کبھی ننگا پھرنے لگتا ہے کبھی ڈاڑھی منڈا دیتا ہے کبھی شوالہ میں گھنٹہ ناقوس جا کر بجانے لگتا ہے اُس کی طرف سے میں آپ سے یہ کہوں گا ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

مگر یہ یاد رہے کہ اِس ساحل سے مراد اُدھر کا ساحل ہے جس کے کھڑے ہونے والے ابھی
دریا میں بھی نہیں گھسے کیونکہ اُدھر کے ساحل والے جو کہ دریا سے پار ہو چکے ہیں
الحمد للہ حال بھی جانتے ہیں اور اگر اُن کے ہاتھ میں یہ سُوئس ہاتھ و پا سے تو پہنچا
بھی سکتے ہیں البتہ اِدھر والے سوائے ہنسنے کے کچھ نہیں کر سکتے سو کاملین اُس
ساحل پر ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ اگر منصور میرے زمانہ میں ہوتا تو میں
اُس کو بچا لیتا۔ شیخ عبدالحقؒ ہمارے سلسلہ کے بزرگ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ
از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریا ہا فرو برند و آروغ نہ زنند۔ حالانکہ حضرت شیخ
اسقدر مغلوب تھے کہ چالیس برس [illegible] ردولی کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھی
لیکن راستہ نہیں یاد ہوا نجار خادم آگے آگے حق حق کہتے جاتے تھے اس آواز پر چلتے
تھے رستہ کی خبر نہیں مگر باوجود اس کے اس قدر سنبھلے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں
کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریا ہا فرو برند و آروغ نہ زنند
کبھی شریعت کے خلاف نہیں کیا بارہ برس حضرت مخدوم صابرؒ پر واقعہ ہوا ایسی بیہوشی تھی
لیکن ایک وقت کی نماز قضا نہیں ہوئی جہاں کان میں اذان دی گئی بس آنکھیں
کھول دیں پانی تیار رہتا تھا وضو کر کے نماز پڑھ کر پھر بیہوش۔ بارہ برس تک
یہی حال رہا اُن کے پیر یعنی شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ڈوم خیریت دریافت کرنے کیلئے
بھیجا جس وقت پہونچا افاقہ کا وقت تھا بس اتنا دریافت فرمایا کہ پیر اچھے ہیں اور [illegible]
جب آپ کی یہ حالت تھی کہ بارہ برس تک گولر کھائے اُس روز فرمایا کہ پیر کا بھیجا ہوا
ڈوم ہے آج نمک ڈال دینا پیر کا مہمان ہے یہاں سے وہ ڈوم دہلی پہنچا حضرت
سلطان جی بھی حضرت شیخ فرید کے مرید تھے یہاں شاہی دربار لگتا تھا۔ ایک مرتبہ
کا واقعہ ہے کہ وزیر شاہی حاضر خدمت تھا کھانے کا وقت آگیا وزیر نے خیال کیا کہ پہلی
سے کہا ہوا ہوں تو اچھا ہے۔ جب خادموں نے کھانا لانے کے لئے اجازت چاہی تو
فرمایا ذرا ٹھہرو جب کچھ دیر ہو گئی تو پھر آ کر عرض کیا کہ حضرت کھانا ٹھنڈا ہوا جاتا ہے
آپ نے پھر فرمایا کہ ذرا ٹھہرو تھوڑی دیر میں ایک شخص سر پر ٹوکرا رکھے ہوئے آیا اور

عرض کیا کہ فلاں صاحب نے مچھلی کے کباب بھیجے ہیں سلطان جی نے حکم دیا کہ اب کھانا لایا جائے۔ اب وزیر صاحب چونکے خوان لگایا گیا وزیر کو خیال ہوا کہ مچھلی کے کباب اتفاقاً آگئے ہیں سلطان جی نے خادم سے کہا کہ مچھلی کے کباب آپ کے سامنے زیادہ رکھنا آپ کو زیادہ شوق ہے وزیر کو پھر بھی خیال ہوا کہ اتفاقی بات ہے تب حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ جناب وزیر صاحب فرمائش کا تو مضائقہ نہیں لیکن ذرا وقت گنجائش دیکھکر ہونا چاہیئے عین وقت پر فرمائش کرنا تکلیف دینا ہے ویسے مہمان کو حق ہے فرمائش کرنے کا وزیر اب سمجھے کہ یہ میرے ہی خطرہ کا جواب تھا حضرت سلطان جی کو وزیر کی خواہش کا کشف ہوا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی بادشاہ یہ لوگ ہیں اور یہ حضرات اللہ میاں ہی سے کہتے ہیں جیسے کسی مرتبہ کا بچہ ہو کہ سارا حشم خدم اس کا فرماں بردار ہے لیکن جب اسے کسی چیز کی خواہش ہو گی تو اپنی ماں ہی سے مانگے گا کہ اماں یہ لونگا اماں چاہیے جس کو حکم دیکر اس سے دلوا دے حضرت سلطان جی نے بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی سے عرض کیا کہ کباب دیجئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ادنیٰ پیادہ کو حکم دیا کہ لیجاؤ ہمارے محبوب کے سامنے غرض یہاں یہ سامان تھا جب پیر کا ڈوم قریب پہونچا تو حشم خدم سے اس کا استقبال کرایا اور خوب خوب کھلائے چلتے وقت انعام و اکرام بھی دیا۔ ڈوم نے واپس ہو کر حضرت شیخؒ سے سلطان جی کی بڑی تعریف کی اور حضرت مخدوم کے بارہ میں کہا کہ وہ بڑے روکھے ہیں مجھے تو کیا تمھیں بھی نہیں پوچھا بس صرف اتنا دریافت کیا کہ پیر اچھے ہیں یہ سُن کر حضرت فرید رقص کرنے لگے کہ الحمد للہ میں ابھی تک انھیں یاد ہوں ورنہ مجھے کچھ بھی نسبت نہیں رہی ہے ان کے مقام سے مگر مجھے ابتک یاد رکھتے ہیں۔ ہمارے مشائخ میں بحمد اللہ ایسے ایسے بکثرت گذرے ہیں کہ جن کو ماسوا اللہ کا ہوش نہیں رہا مگر ان کو اللہ کا ہوش تھا اس لیئے ان سے ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں اور جو مغلوب الحال غلطیاں کرتے ہیں وہ واقع میں خدا سے بھی بیہوش ہیں کیونکہ اگر بادشاہ پر پوری نظر ہو تو کوئی بے ادبی اس سے ہو نہیں سکتی ہمارے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید ہیں خورجہ کے وہ بڑے صاحب حال

ہیں ہمیشہ تڑپتے لوٹتے رہتے ہیں اپنے سلسلہ کے حضرات کو دیکھ کر بلکہ اُن کا نام سُن کر تڑپنے چیخنے لگتے ہیں مگر نماز ہیں اُن کی کبھی آہ بھی نہ نکلی یہ اتباعِ سنت کی برکت ہے ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ۔۔۔ ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

عوام کو ایسے لوگوں پر گمان خالی ہونے کا ہوتا ہے لیکن وہ اس گمان سے خوش ہوتے ہیں۔ کیمیا گر اسی میں خوش رہتا ہے کہ اسے کوئی نہ جانے کیونکہ وہ پولیس کے مواخذہ سے بچا۔ لوگوں کے ہجوم سے بچا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ لوگ اُسکو سمجھنے لگے اور بھیڑ ہوئی۔ بس وہاں سے روپوش ہو جاتا ہے۔ ایسے متبع سنت کاملین پر عام لوگوں کا گمان خالی ہونے کا ہے لیکن وہ پورے بھرے ہوئے ہیں مگر بھرے ہونے کے ساتھ جو اُبلتے نہیں تو وجہ یہ ہے کہ اُن کو دوسری چیز نے روک رکھا ہے وہ چھلکنے نہیں دیتی غیر ضابطہ تو تنگ ہو کر یہ کہہ اٹھا کہ ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ۔۔۔ باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کاملین باوجود اس کے کہ قعرِ دریا میں غرق ہیں لیکن پھر بھی اُن کا دامن تر نہیں ہوتا ہر زمانہ میں اللہ کے بندے ایسے ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ عوام الناس انکو نہیں سمجھتے پس اگر ایسی جامعیت و ضبط مطلوب ہے تو کسی متبع سنت شیخ کامل کا دامن پکڑنا چاہیئے اور بہت ہی سنبھال کر قدم رکھنا چاہیئے نیز شیخ کے تجویز کرنے میں بھی عجلت نہیں چاہیئے پہچان میں نہایت جانچ کی ضرورت ہے بس شیخ بنانے کے قابل وہ شخص ہے جو غلطیوں کا پکڑنے والا ہو یہ نہیں کہ نام سا قال و حال دیکھ لیا اور پھنس گئے ؎

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند ۔۔۔ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

خوب کہا ہے ؎

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد ۔۔۔ بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد

نہ مجاہدہ دیکھو نہ ریاضت نہ کشف دیکھو نہ کرامت یہ دیکھو کہ فن کو کتنا سمجھتا ہے

صحبت میں کیا برکت ہے۔ حضرات مجتہدین کو بہت سی حدیثیں زیادہ یاد نہیں تھیں لیکن ان میں ایک شان تھی مناسبت فن سے فن کو اتنا جانتے تھے کہ ہم لوگ قیامت تک بھی نہیں جان سکتے۔ بوعلی سینا کو نسخے زیادہ نہیں یاد تھے لیکن فن کو ایسا جانتا تھا کہ بعد کو لوگوں نے بڑی بڑی قرابادین لکھیں لیکن شیخ سے نہ بڑھ سکے اس کی کتاب قانون شاہد ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کے بعد ایسا شخص نہیں ہوا یہ بات خدا کی جانب سے ہوتی ہے اور شیخ میں یہی دیکھ لینا کہ عارف کے ساتھ عاشق بھی ہو شرط ہے عارف کا دامن مست پکڑنا کفایت اس کی قلیل ہے حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ میں دونوں شانیں ایسی بڑھی ہوئی تھیں کہ سبحان اللہ میں نے تو دیکھا ہر بات میں جی چاہتا تھا کہ ہر ہر بات پر ہر ہر ادا پر جان فدا کر دیں حضرت کے عارف ہونے پر ایک تذکرہ یاد آیا حضرت جب یہاں وطن میں تھے تو مولانا گنگوہیؒ اور اور بھی بعض ذاکرین اپنے اپنے حالات حضرت سے بیان کرتے لیکن مولانا محمد قاسم صاحبؒ کچھ بھی نہ بیان فرماتے حضرت نے ایک دن پوچھا کہ آپ کچھ نہیں کہتے مولانا یہ سنکر رونے لگے اور عرض کیا کہ حضرت حالات و ثمرات تو بڑے لوگوں کو ہوتے ہیں مجھ سے تو جتنا کام حضرت نے بتلایا ہے وہ بھی نہیں ہوتا جہاں تسبیح لیکر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے اسقدر گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر کسی نے رکھ دیئے ہوں زبان قلب سب بستہ ہو جاتے ہیں حضرت کے کامل یا عاشق ہونے میں شبہ نہیں لیکن ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل	کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

ہیں ہی بدقسمت ہوں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی نے زبان کو جکڑ دیا ہو تو یہ حال سنکر حضرت فرماتے ہیں کہ مبارک ہو یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا اس زمانہ میں مولانا محض نو آموز طالب علم تھے اس وقت یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ اس قدر بڑے عالم ہونے والے ہیں اب تو اس پیشین گوئی کا انطباق آسان ہے لیکن اس وقت پتہ بتا دینا عجیب و غریب بصیرت کا پتہ دیتا ہے حضرت نے فرمایا کہ قلم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے

جو نیند سے لیا جاتا ہے جاؤ دین کی خدمت کرو ذکر و شغل کا اہتمام چھوڑو ۔ احمد جام فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار	دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

سبحان اللہ حالت کو کیسا پہچانا بصیرت کیسی زبردست تھی حضرت کی پہچان غضب کی تھی ۔ مکہ میں حضرت کے ایک خلیفہ ہیں مولانا محی الدین صاحب انہوں نے دو رکعت نماز اس اہتمام سے پڑھی ہیں کہ سوائے حق تعالیٰ کے خیال کے اور کوئی وسوسہ آوے وسوسوں کے روکنے کی غرض سے آنکھیں بھی بند کر لیں بعد کو وہ متوجہ ہوئے حقیقت صلوٰۃ کی طرف کہ دیکھیں حق تعالیٰ کے یہاں میری اس نماز کی کیا شکل ہوئی چنانچہ ایک نہایت حسین و جمیل عورت کی شکلیں انہیں وہ نماز دکھلائی گئی مگر اندھی حضرت سے عرض کیا کہ میں نے نماز کامل آداب کے ساتھ پڑھی تھی لیکن یہ کیا ہوا کہ اندھی دکھائی گئی فی البدیہہ فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی تھی عرض کیا کہ جی ہاں وساوس کے روکنے کے لیے بند کر لی تھیں فرمایا کہ یہی سبب ہے کہ اندھی دکھلائی گئی کیونکہ نماز میں آنکھیں بند رکھنا سنت کے خلاف ہے خلاف سنت نماز پڑھنے کا اثر ہوا سنت کے موافق آنکھیں کھول کر نماز پڑھتے تو گو ہزاروں وسوسے آتے لیکن وہ نماز اس نماز سے ہزار درجہ افضل ہوتی جو خلاف سنت طریقہ پر آنکھیں بند کر کے ادا کی گئی خواہ اس میں ایک بھی وسوسہ نہ آیا ہو ۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے پہچان کا بھی اور اتباع سنت کا بھی اسی وجہ سے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی جو ایک مشہور نہایت متقی جامع ظاہر و باطن عالم تھے یوں فرمایا کرتے تھے کہ حاجی صاحب کا یہ سلف میں سے ہیں گو پیدا اس زمانہ میں ہوئے ہیں لیکن درجہ انکا ساہے اس طبقہ میں سے ہیں ۔

میں نے یہ روایت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی سے سنی انہوں نے مولانا سے سنا واللہ رحمت تھی حق تعالیٰ کی کہ اس زمانہ میں ایسے ایسے حضرات پیدا فرمائے حضرت کی صحبت کے وقت سے زیادہ مجھکو مثنوی شریف کی شرح لکھتے وقت حضرت کے علوم و معارف کی قدر معلوم ہوئی وہاں آنکھیں کھلیں حضرت ہی کے علوم کی بدولت یہ دقیق کتاب سمجھ

میں آئی ورنہ ناممکن تھا لکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کوئی ایک ہی دفتر کی شرح لکھدے
کوئی لکھکر تو دیکھے ؎

ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوے ✦

یہ حضرت ہی کے کلیات کے سہارے ساری شرح لکھی ہے چونکہ وہی کلیات ذہن میں
محفوظ تھے کوئی مشکل مقام ایسا نہیں آیا کہ حل نہ ہو گیا ہو کسی جگہ ذہن نہیں اٹکا۔ کوئی میرے
دل سے پوچھے کتنے باوقعت وہ کلیات تھے اس کشتی کی قدر وہ جانے جس نے اُس سے
دریا قطع کیا ہو کہ وہ جب کشتی لیکر چلا کوئی سمندر ایسا نہیں ملا جس نے اُسے روکا ہو
اسی طرح الحمد للہ کوئی طالب ایسا نہیں ہوتا کہ جس کا مرض اور دوا سب اس کی تھوڑی سی
حالت دیکھتے ہی سمجھ میں نہ آجاتا ہو یہ سب اُنھیں کلیات کی بدولت ہے ہمنے بخاری مسلم
سب کچھ پڑھا تھا لیکن کچھ نہ سمجھے تھے اگر چند کلمے حضرت سے نہ سُنتے تو یہ ساری کتابیں
کچھ بھی نہ سمجھی ہوتیں جیسی تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم علم
کی وجہ سے حضرت کے معتقد ہوئے ہیں حضرت کی شان علمی کے متعلق ایک عجیب قصہ یاد ہے
کہ ایک جلسہ میں جبکہ حقائق کا بیان فرما رہے تھے دوران تقریر میں ایسے ایسے الفاظ بشرط شئے
بشرط لا شئے لابشرط شئے استعمال فرمانے لگے ایک معقولی بھی شریک جلسہ تھے اُنکے دل میں
خیال ہوا کہ درسی علم تو حضرت نے حاصل کیا نہیں پھر یہ اصطلاحیں کیا جانیں معاً حضرت کو
اس خطرہ کا کشف ہوا فرمایا کہ معانی کا القاء کبھی بواسطہ الفاظ بھی ہوتا ہے اُس وقت ایسے
اصطلاحات بول سکتا ہے وہ معقولی صاحب دم بخود رہ گئے غرض ایسے شیخ کی بدولت
ایسی غلطیاں رفع ہوتی ہیں کہ شریعت میں الحاد بھی نہ ہو اور جنھوں نے ایسی غلطیاں
غلبۂ حال میں کی ہیں اُن پر فتوی کفر و ارتداد بھی نہ ہو چنانچہ اوپر حدیث سے ایسے لوگوں
کا عذر بیان کیا گیا ہے اور وہ حدیثیں قواعد کلیہ تھیں اب انکی تائید ایک حدیث جزئی سے
عرض کرتا ہوں اور کوئی جامد علی الظاہر اسکو صوفیہ کی طرفداری نہ سمجھیں میں کسی صوفی کے
قول سے استدلال نہیں کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتا ہوں کہ ایک
گنہگار شخص تھا اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ میں مرجاؤں تو میری نعش کو

تنبیہ عذر اہل حال بحدیث حسن ۱۲

جلا کر خاک کر کے ہوا میں اُڑا دینا پھر پاتو بچ جاؤں اور اگر کہیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آگیا تو پھر تو وہ ایسی سزا دیں گے کہ کسی کو بھی نہ دی ہوگی اُس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کی نعش کو جلا پھونک آندھی کے دن اُڑا دیا کچھ دریا میں کچھ خشکی میں وہ سمجھتا تھا کہ اللہ میاں کہاں جمع کر سکیں گے جیسا کہ اُس کا قول لئن قدر اللہ علیّ اس پر دال ہے لیکن وہاں کیا تھا کن فرمایا اور فوراً سب اکٹھا ہو گیا دریافت فرمایا کہ کیوں تم نے ایسا کیا عرض کیا من خشیتك یا اللہ تیرے خوف سے فرمایا جاؤ بخش دیا۔ اس مقام پر علما کو دقتیں ہوئی ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں اُس نے شک کیا لہذا کافر ہوا پھر مغفرت کیسی۔ بات یہ ہے کہ عقل کم تھی خدا کی قدرت کو بڑا تو جانتا تھا۔ لیکن کتنی بڑی اس کا اندازہ نہیں کر سکا۔ ہر شخص کا اندازہ اُسکی عقل کے موافق ہوتا ہے۔ پس ایسے شک سے وہ کافر نہیں ہوا۔ اسی کی فرع ایک اور قصہ ہے کہ ایک شخص نے وعظ میں سُنا کہ اللہ تعالیٰ کے نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں ہیں وہ تھا محض ایک گنوار دیہاتی آدمی اُسے نہایت غصہ آیا اور کہا کہ کیا وہ بطیخ شامی ہے اور بولا کہ ہمارے خدا کے ہاتھ بھی ہیں پاؤں بھی ہیں تیرا خدا ہوگا جس کے ہاتھ نہ پاؤں جیسے شام کا خربوزہ اب کیا ایسے شخص کو کافر کہہ سکتے ہیں وہ ہرگز کافر نہ تھا اس میں عقل ہی نہ تھی بلکہ اُس سے یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پیر مت سمجھ اُس کو کفر میں ڈالنا تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے آکر عرض کیا کہ میں نے ایک لونڈی کے تھپڑ مار دیا ہے اُس کو ایک کفارہ میں آزاد کرنا چاہتا ہوں اُس میں آزاد کرنے کے لئے ایمان کی شرط ہوگی حضور نے اُس لونڈی کو طلب فرمایا۔ اُس سے دریافت فرمایا این اللہ یعنی اللہ تعالےٰ کہاں ہیں اس نے کہا فی السماء آسمان میں پھر دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں عرض کیا انت رسول اللہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضور نے صحابی سے فرمایا کہ یہ مومن ہے اسکو آزاد کردو باوجود اس کے کہ وہ لونڈی یہ سمجھتی تھی کہ اللہ تعالےٰ آسمان میں ہیں لیکن پھر بھی حضور نے اُسے مومن فرمایا حالانکہ بھلا اللہ تعالیٰ آسمان میں کیا سماتا عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے مظروف سے ظرف بڑا ہونا چاہیئے

سو خدا تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عرش تک تو کوئی چیز ہی نہیں تو آسمان تو کیا ہوتا۔ ادھر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ حق تعالیٰ پاک ہیں کسی مکان کے اندر آنے سے لیکن اس چارہ کی عقل اتنی ہی تھی چنانچہ اگر بچوں سے پوچھو کہ خدا کہاں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اوپر ہے حالانکہ حدیث میں ہے لو دلیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ یعنی اگر رسی ساتوں زمین سے پار ہو کر اترے گی وہاں بھی اللہ میاں ہیں وہ نہ زمین کے ساتھ مقید ہیں نہ آسمان کے ساتھ مگر فطری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ہی ہونے کا گمان ہوتا ہے کیونکہ اس کی ذات عالی ہے عوام کی سلامتی اسی میں ہے کہ اوپر سمجھیں عرش پہ سمجھیں یا آسمان پر سمجھیں کچھ حرج نہیں خواص کے لیے یہ ہے اس کو مکان سے پاک سمجھنا چنانچہ میں نے ایکبار یہیں تھانہ بھون میں حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ ایک رفیع الشان مکان کے فوق کی طرف جلوہ فرما ہیں لیکن بلا کسی لون اور رنگ یا مقدار یا کیفیت کے چونکہ میرے اعتقاد میں تنزیہ ہے اور بہت سوں نے جن پر تشبیہ کا مذاق غالب تھا آدمی کی شکل میں دیکھا اور اس فرق کے اور بھی اسباب ہیں سو اسی طرح یقظہ میں جتنی جس کی عقل ہوگی اتنا ہی سمجھے گا چنانچہ وہی شخص حق تعالیٰ کی قدرت کا قائل سب کچھ تھا لیکن کچھ عقل کی کمی کچھ خشیت کا غلبہ اس نے اس کو بدحواس کر دیا اسی طرح مغلوب الحال کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی غلبہ حال سے عقل کم ہو جاتی ہے ایسے لوگ معذور ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نہ گستاخی چاہیئے نہ ان کا اتباع چاہیئے معذور سمجھ کر معافی کی امید رکھنا چاہیئے۔ اور اگر ان حضرات کی طرف ان اقوال و افعال کی نسبت ہی ثابت نہ ہو تو ایک جواب سب سے سہل یہ ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں۔ الحمد للہ ان معذورین کے ساتھ جو معاملہ رکھنا چاہیئے اس وقت سمجھ میں آگیا ہوگا یہ تو تاویل تھی معذورین اہل اغلاط کی باقی جو شرعاً معذور نہیں اور وہ محض نفس و تقلید سے ایسے اغلاط کو اختیار کرتے ہیں وہ یقیناً دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ بہر حال یہ تھا بیان ان اغلاط اہل ظاہر و اہل باطن کا جو آیتیں میں نے پڑھی ہیں ان میں ان اغلاط و اختلافات کا فیصلہ ہے جس کو میں بعض اپنی

تقریر کے بیان بھی کر چکا ہوں جس کا حاصل جمع کرنا ہے ظاہر و باطن کے درمیان میں اب اسی کو ان آیات پر منطبق کئے دیتا ہوں اور میرا ارادہ اس انطباق کی بھی زیادہ تفصیل کا تھا لیکن دقت زیادہ ہو گیا لہذا میں ترجمہ آیت کا کر کے ختم کئے دیتا ہوں اور اسی کے ضمن میں انطباق سے بھی مختصراً تعرض ہو جاویگا یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ صوفیوں کی یہاں بھی حمایت فرمائی کہ پہلے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ میں اہل ظاہر کی غلطی بیان فرمائی اور غلطی بھی ایسی بلاغت سے بیان کی کہ کوئی بیان نہیں کر سکتا پھر دوسرے جملہ میں وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى۔ قربانی کی حکمت واللہ کیا بیان کی اور اس تقویٰ کا مصداق اس سے اوپر ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ یعنی یہ تقویٰ تعظیم ہے شعائر اللہ و احکام الٰہیہ کی اس حکمت تعظیم شعائر اللہ کی جامعیت پر نظر کر کے مجھے تو وہ شعر شریعت کی شان میں یاد آجاتا ہے

برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را		بہارِ عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد

یعنی عاملین میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو قربانی کی حکمت سمجھ گئے ہیں دوسرے وہ جو حکمت نہیں سمجھے جو حکمت سمجھ گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حکمت معلوم ہو جانے سے وقعت بڑھتی ہے حکم کی وہ تو یوں حکم کی تعظیم کریں گے اور جو حکمت نہیں سمجھے انھوں نے اتنی تعظیم کی کہ حکمت بھی نہ سمجھے اور پھر بھی کر ڈالا۔ یہاں تو کسی درجہ میں رائے کا بھی دخل تھا یہاں کچھ بھی نہیں اگر کسی نے کہا کیوں کرتے ہو کہا حکم خدا کا بس آیت وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ میں روح بتلا دی قربانی کی آگے اس آیت لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ میں فرماتے ہیں کہ اس روح یعنی تقویٰ خاص کی کہ تعظیم شعائر ہے بہت حفاظت کرو اور سمجھو کہ ذبح بالذات مقصود نہیں دیکھو وہاں نہ خون پہونچتا ہے نہ گوشت جو چیز مقصود ہے وہ البتہ پہونچتی ہے یعنی تقویٰ چنانچہ اگر یہ جسم و دم مقصود ہوتا تو سارا جانور اٹھکر چلا جایا کرتا بس صرف ذبح کو مقصود مت سمجھو خدا کے یہاں تقویٰ پہونچتا ہے اس کو دیکھو کہ اس ذبح کے ساتھ تقویٰ بھی مقترن ہے جو کہ تعظیم شعائر اللہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک مدلول من کا یہ بھی ہو سکتا ہے اس طرح سے کہ تعظیم شعائر منجملہ تقویٰ ہے جب تعظیم ہو گا تقویٰ کا تحقق ہو گیا بالتقویٰ

ہو سکتا ہے اس طرح کہ تعظیم ناشی ہوتی ہے تقویٰ سے غرض جو چاہو کہو بقول حافظ رحمہ اللہ

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف	گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

سو تقویٰ ہر حال میں مقصود بالذبح ہوا۔ اور حضور فرماتے ہیں سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہ یہاں ہے تقویٰ اور مافی الصدر باطن ہے پس معلوم ہوا کہ اس ظاہر کا ایک باطن بھی ہے اس کو حاصل کرو شاید اس کو سن کر اہل باطن بول اٹھیں کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ باطن ہی ہے جو کچھ ہے لہذا آگے ان کی غلطی بیان کرنے کے لئے ایک ظاہر کو فرماتے ہیں کَذٰلِکَ سَخَّرَهَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰکُمْ یعنی نری تقویٰ کو کوئی نہیں پوچھیگا تقویٰ مطلق مقبول نہ ہوگا تقویٰ وہ قبول ہوگا جس کو قربانی سے تعلق ہو یہاں تکبیر کا مقبول ہی تو جس نے تکبیر کا فعل ہی ثابت کہ روح سے مراد وہی روح ہے جو اس قالب کے ساتھ ہو اسی کو فرماتے ہیں کہ جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم نعمت ہدایت و توفیق للذبح پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس میں اللہ اکبر کہنے کی بھی حکمت بتلا دی کہ یہ دراصل شکر ہے اللہ کا کہ اللہ بہت بڑا ہے کہ اس نے توفیق دی کہ ہم حکم بجا لا سکے واقعی اگر خدا کی توفیق نہ ہوتی تو ترحم طبعی ہاتھ کو گردن پر نہیں چلنے دیتا جو ملحدین کے شبہ کی بنا تھی یعنی ذبح کا خلاف ترحم ہونے کے سبب مخالف حکم الٰہی ہونا اسی سے ہم جواب دیتے ہیں کہ یہی خلاف ترحم ہونا بہت بڑی علامت ہے اس ذبح کے حکم الٰہی ہونے کی بعضے معترض اس مخالفت ترحم کو مخالفت عقل قرار دیکر کہتے ہیں کہ ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے تو جانوروں کو کوٹنا پیٹنا بھی عقل کے خلاف ہے بلکہ یہ تو ساری عمر سسکا سسکا کر مارنا ہے ذبح میں تو ایک ساتھ کام تمام کر دیا جاتا ہے دم کے دم میں جان نکل جاتی ہے اس میں ذرا سی دیر کی تکلیف ہے جو ہوئی اور گذر گئی اور سچ تو یہ ہے کہ نہ یہ عقل کے خلاف ہے نہ وہ ہم تحقیق کے تابع ہیں ہم انکی طرح سے ہی کہتے ہیں کہ آر مارنا عقل کے خلاف نہیں اور اصلی حقیقت یہ ہے کہ خلاف عقل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی محال لازم آوے خلاف عقل ہے خدا کا دو ہونا اجتماع ضدین کا واقع ہونا دور و تسلسل کا صادق آنا تو ذبح کرنے میں یا مارنے کوٹنے میں کونسی بات عقل کے خلاف استحالہ کی لازم آئی جو بات خلاف عقل ہوتی ہے وہ تو واقع ہی نہیں ہوتی معترض ایسے عقل ہیں کہ غیر ممتنع الوقوع کو عقل کے خلاف کہتے ہیں ذبح تو

واقع ہوتا ہے وہ عقل کے خلاف کیسے ہوا بلکہ اُن کا یہ کہنا خود اُنکی اصطلاح کے مطابق خلاف
عقل ہے بات یہ ہو کہ یہ لوگ علوم عقلیہ پڑھتے نہیں جو چیز ترحم طبعی کے خلاف ہوئے عقل کے خلاف
کہتے ہیں ترحم طبعی کے خلاف کہو تو البتہ ہم مانتے ہیں واقعی ذبح ترحم کے خلاف ہے لیکن ایصاحب
یہی تو بڑی عبدیت ہے کہ گو ترحم کے خلاف ہے لیکن خلاف طبع و خلاف نفس مالک کے امتثال امر کیلئے
دل پر پتھر رکھا کرتے ہیں جلاد کا بیٹا کسی جرم میں پکڑا آیا ذرا غور کرکے دیکھیے کہ بادشاہ نے حکم دیا
کہ ایک درجن بید لگاؤ۔ اسوقت باپ سے پوچھئے کہ دل کی تو کیا حالت ہوگی مگر اس کے ساتھ
ہی یہ سوال ہے کہ خیرخواہی سرکاری اور جاں نثاری کس میں ہے۔ آیا جاں نثاری یہ ہے کہ
کہدے مجھ سے نہیں ہو سکتا یہ آپکی نوکری رکھی ہے یا یہ ہو کہ با دل ناخواستہ سٹر سٹر بید لگا رہا ہے
دل اندر سے لوٹ پوٹ ہو رہا ہے لیکن حکم کی تعمیل کئے جا رہا ہے ایمان سے بتاؤ یہ ہی جاں نثاری
اور خیرخواہی یا وہ اگر حاکم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اُسکا بیٹا تھا اور باوجود اس سے بید محبت ہونے
کے اور صرف بید بے چینی کے پھر بھی اس نے میرا حکم بجا لایا چون و چرا مانا تو اُس کی نظر میں اس
شخص کی کتنی قدر ہو گی۔ آج کل جنگ میں جان دیتے بہت جا رہے ہیں اُن کی مدح کیجاتی
ہے کہ بڑے خیرخواہ سرکار ہیں جاں نثار ہیں یہ کیوں حالانکہ بقول آپکے جان دینا عقل کے خلاف
ہے۔ یہ خوب ہو کہ کہیں تو خلاف عقل ہے اور کہیں نہیں یہ عجیب بیہودہ بات ہے۔ معترض کہتے
ہیں کہ مسلمان بڑے قصائی ہیں اس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہیں لیکن جواب اصلی یہ ہے
کہ معترض کیا جانیں ہم پر کیا گذرتی ہے جب چھری پھیرتے ہیں ہم سے حلف لیلو جس وقت گلے کٹتی
ہے ہمارا دل نکلا جاتا ہے لیکن دل پر پتھر رکھکر یہ حکم معلوم کرکے کہ قربانی کرو کرتے ہیں ترحم
تو ہے مگر ترحم پر عمل نہیں حکم کی تعمیل کرتے ہیں یہ ہے عبدیت پوری اُسی کی توفیق ہے کہ اتنے بڑی
عمل پر قادر ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اس سوال و جواب پر ایک
حکایت یاد آئی۔ مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ طاعون سے بھاگنا کیوں ناجائز ہے
حالانکہ وہاں رہنا عقل کے خلاف ہے میں نے کہا کہ لڑائی سے بھاگنا کیوں حرام ہے حالانکہ
وہاں طاعون سے بھی زیادہ ہلاکت کا خوف ہے یہاں تو موت میں رہنا خلاف عقل اور وہاں
عقل کے خلاف نہیں وہ سمجھ گئے ہیں کہ پادشاہ تو تیس روپیہ تنخواہ دیکر جان کا مالک ہو جاوے

اور حق تعالیٰ جان کو پیدا کر کے بھی جان کا مالک نہ ہو اور اس میں تصرف اور اپنے قانون کی
تنفیذ نہ کر سکے وہ صاحب یہ جواب سن کر کھل گئے یہ شاندار مولویوں کے جواب نہیں ہیں
خاکسار غریبوں کے جواب ہیں۔ سچی بات سیدھی سادی قناعت دینے والی ہوتی ہے۔
پس حکمتوں کی تفتیش کے درپے مت ہو صرف یہ دیکھو کہ آیا یہ خدا کا حکم ہے یا نہیں
بس یہ معلوم کر لیا اور اطمینان ہو گیا چنانچہ جس طرح جلاد کو حکم ہے کہ بیت مار و ہمیں یہ حکم
ہے کہ قربانی کرو۔ اسی طرح تمام احکام میں بعد اس امر کے ثابت ہو جانے کے کہ خدا کا حکم
ہے پھر حکمتیں مت پوچھو اور نہ بتلاؤ کہ انجام اس کا خطرناک ہے۔ کیونکہ سور کے
حرام ہونے کی اگر یہ حکمت بیان کی کہ وہ بےحیا ہوتا ہے اور اس کے بعد ایک شخص نے اس کا
حیا دار ہونا ثابت کر دیا جیسا کہ ایک شخص نے اس کا دعویٰ کیا ہے پس اگر کسی
فلسفی مسلمان کا عقیدہ یہی ہو کہ سور اس لئے حرام ہوتا ہے کہ بےحیا ہوتا ہے۔ تو جب
اس کے نزدیک وہ حیادار ثابت ہو جاویگا اسی روز پھر وہی شے موجود یہ طرز خطرناک
طرز ہے خدا کے لیے اس طرز کو چھوڑو اور غیر منصوص حکمتیں جتنی بیان کی جاتی ہیں وہ اکثر
اٹکل پچو ہوتی ہیں اگر ہم نے شریعت کو انھیں پر مبنی سمجھ لیا تو اگر کبھی پچاس برس کے
بعد ایسے عقلا پیدا ہوئے جنھوں نے ان کی نفی کر دی تو جب بنا منہدم ہوگی مبنی بھی منہدم
ہو جاوے گا۔ ہم ایسی حکمتیں نکال کر شریعت کی بنیاد ریت پر کھڑی کرتے ہیں۔ جہاں
ایک سیلاب آیا سب رخصت۔ بس یوں کہو سور حرام ہے اس لئے کہ خدا کا حکم ہے قیامت
آجائے کوئی اس کو توڑ ہی نہیں سکتا۔
جس طرح کوئی سرکاری آدمی سے پوچھے کہ موردثی کا کیوں حکم ہوا یا پوچھے کہ تولہ بھر تک ایک
ٹکٹ لگانے سے بیرنگ نہیں ہوتا دو تولہ کا بیرنگ ہو جاتا ہے اس پر یہی کہیگا کہ واضعان
قانون جانیں ضابطہ یوں ہی ہے۔ اے مسلمانو سیدھا یہی جواب ہے کہ ہم واضع
قانون نہیں ہم سے کیوں پوچھتے ہو یہ خدا سے پوچھئے البتہ اصول اسلام کے ضرور عقلی
ہیں باقی فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جارج بادشاہ کا بادشاہ
ہونا عقلی طور پر ثابت کیا جاویگا باغی کو مباحثہ سے سمجھایا جاویگا پھر جب اسکو صاحب

سلطنت مان لیا پھر ہر ہر حکم میں حکمتیں تلاش کرنا بغاوت کا شعبہ ہے اگر کسی کچہری میں سزا
دی گئی اور اس نے کہنا شروع کیا کہ فوجداری کی دفعہ سرقہ میری سمجھ میں نہیں آئی آیا دلیسہ کا سرقہ بھی
کوئی جرم ہے تو کیا جج اسکو حکم سمجھا کر سزا دیگا یوں کہدیگا کہ بادشاہ وقت کا یہی قانون ہے اگر اصرار کریگا تو ڈانٹ دیگا
کہ بکومت اور الٹی توہین عدالت کی بھی سزا بڑھا دیگا اور کہدیگا کہ ہم حجت کی بات سمجھا چکے کہ بادشاہ وقت
کا یہی قانون ہے اسیطرح توحید رسالت عقلی طور پر سمجھ لو پھر قال اللہ قال الرسول بس ہے نصرانی آریہ یہودی جو کوئی پوچھے یہی جواب ہے
کہ خدا کا حکم ہے۔ قرآن میں ہے قرآن کا اللہ تعالی کا کلام ہونا دلیل عقلی سے ثابت کر دینگے۔ بس شنار
کی کھٹ کھٹ اور لہار کی ایک۔ میں ساری شریعت کی حفاظت کا سامان بتلا رہا ہوں ورنہ اگر حکمتیں
بتلانے پر آئے تو آخر کہیں تو عاجز ہو گے مثلاً پوچھا گیا نماز کیوں فرض ہوئی کہا عبدیت کا اظہار ہے
پانچ وقت کیوں مقرر ہوئے تاکہ پابندی میں سہولت ہو یہاں تک تو چلتا رہا رکعتیں کیوں مختلف
تعداد میں مقرر کی گئیں ظہر میں چار فجر میں دو مغرب اور وتر میں تین بس یہاں آکر تھک گئے جو یہاں
آکر کھو گئے وہ پہلے ہی کیوں نہ کہدیں جس راہ پر دو کیوں چلیں بالآخر آنا ہے اسے ابھی سے کیوں
نہ اختیار کرو خواہ مخواہ اتنا تعب بھی کیوں سر لیا جیسا اُس وقت۔ ایک اور مرض عالمگیر
ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ حجج شریعت چار ہیں مگر پھر بھی ہر حکم کا ثبوت قرآن مجید سے مانگا
جاتا ہے اور ہمارے ذہین اہل علم اس قدر سخی ہیں کہ ثبوت دینے کو تیار ہو جاتے ہیں
میں وہاں بھی یہی کرتا ہوں کہ کہیں تو عاجز ہو کر کہنا ہی پڑیگا کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے
ضروری نہیں۔ پھر یہ جواب اول ہی سے کیوں نہ دیدو۔ میرے ایک صاحب علم دوست
سے کسی نے داڑھی کا ثبوت قرآن شریف سے مانگا انھوں نے یہ آیت پڑھی لا تاخذ
بلحیتی ولا برأسی۔ کہ دیکھو موسی علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی
پکڑ لی تھی معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی لیجئے داڑھی کا ہونا قرآن سے
ثابت ہو گیا مجھ سے انھوں نے جواب نقل کیا میں نے کہا کہ مولانا وہ تو وجود داڑھی کا پوچھا
تھا وجوب نہیں پوچھا۔ اور ثابت ہوا وجود اگر وہ یہ سوال کرتا تو کیا ہوتا۔ مولوی صاحب نے
کہا جی اتنی عقل اسمیں کہاں تھی کہ وہ یہ سوال کرتا۔ مگر صاحب ہمیں تو شرم آتی ہے ایسی
ویسی بات کہتے ہوئے جو بات ہو محقق و باوقعت ہونا چاہیئے خیر اس سے تو وجوب ثابت ہی

نہیں ہوا۔ لیکن اگر کسی آیت سے وجوب بھی ثابت ہو جاتا تب بھی اوّل وہلہ میں سائل
کے جواب میں یہی کہنا چاہیئے تھا کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے ضروری نہیں۔ ورنہ
اگر وہ اور کوئی سوال کرتا تو کہیں نہ کہیں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے
ضروری نہیں مگر آج کل اس محقق جواب کو بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور تلبیس کے جواب
کی وقعت ہوتی ہے لیکن اُس کی بے وقعتی اور اِس کی وقعت چند روزہ ہوتی ہے پھر
معاملہ منعکس ہو جاتا ہے۔

مجھ سے ایک انسپکٹر ڈاک خانہ کہتے تھے کہ میں ایک لکچرار کو جو اخباری دُنیا میں
مشہور شخص ہیں یہ سمجھتا تھا کہ دُنیا بھر میں ایسا محقق نہیں۔ بعد کو علماء کی جو تقریریں سنیں تو خود
یہ فرق معلوم ہوا کہ علماء کی تقریریں فوری اثر تو زیادہ گہرا نہیں کرتیں مگر جتنا زمانہ گذرتا گیا دل
میں گھستی گئیں۔ اور اُس شخص کی تقریریں جتنا زمانہ گذرتا گیا تو نکلتی گئیں۔ بس یہ معلوم ہونے
لگا کہ محض روغن قاز ملتا تھا۔ علماء جڑ کی اور گہری کہتے ہیں غرض اصل جواب سوال حکمت کا
ہے کہ خدا کا حکم ہے اور اس کے بعد اگر تبرعاً کچھ حکمتیں بیان کر دی جاویں وہ اور بات ہے
بھی ارادہ تھا کہ اس آیت میں مفصل حکمتیں قربانی کی بیان کروں گو اجمال کا درجہ تو بفضلہ حاصل
ہو گیا لیکن تفصیل کا درجہ نہیں ہو سکا مگر چونکہ وعظ روح الحج والثج میں بیان بھی ہو چکا ہے اور
وقت وقت بھی نہیں اس لئے اجمال ہی پر کفایت کرتا ہوں نیز اس وقت زیادہ مقصود مسئلہ
اسکا تھا کہ مسلک محقق جمع بین الظاہر والباطن ہے سو اسی کو یہاں سمجھ لیجئے کہ اس عمل کا
باطن تقوی اور تعظیم شعائر اللہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ذبح کرے۔ یہ نہیں کہ دام ادا کر دیئے
ایک بزرگ اہل حال اس غلطی میں مبتلا تھے کہ ہمیشہ دام دیدیا کرتے تھے قربانی نہ کرتے ایک بار
خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے سب کے پاس سواری ہے ان کے پاس نہیں اُنھوں نے
سواری طلب کی جواب ملا کہ یہاں کہاں سواری جو قربانی کرتے ہیں ان کو یہاں سواری ملتی ہے
تم قربانی نہیں کرتے جاؤ گھسٹتے رہو۔ بیدار ہوئے تو بہت پریشان ہوئے فوراً توبہ کی اور
کرنا شروع کر دیا اس پر بعضے تو غور کرتے ہیں کہ بہت سے جانور ہوں گے کون سے جانور پر
ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ سب پر قادر ہیں ایک تو یہ صورت ہے کہ سب کے عوض میں ایک بڑا

جاوے دیں ورنہ سب کی ڈاک لگا دیں۔ اگر کسی کے اصطبل میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوں تو کیا اس پر بھی تعجب کیا ہے کہ اتنے گھوڑوں میں کس پر سواری کرتا ہوگا۔ وہاں تو یہ سمجھ لیتے ہو کہ مثلاً بہو ڈاک لگانے کے کام میں آتے ہیں طویل سفر ہو تو ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک ایک گھوڑا بھیجدیا جاتا ہے اور نہایت سہولت سے اتنا بڑا سفر بہت جلد قطع ہو جاتا ہے آخرت کی سب باتوں پر تعجب اور دنیا کی کسی بات پر تعجب نہیں دنیا کی سب باتوں کو عقل کے قریب کر لیتے ہیں۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہی خود مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ میں ریل میں سوار تھا۔ دوسرے درجہ میں ایک مولوی صاحب پرانی وضع کے اور ایک نئی وضع کے میانہ عمر شخص سوار تھے ایک اسٹیشن پر گاڑی پہونچی تو چند انگریزی خواں لڑکے آکر اسی دوسرے درجہ میں بیٹھے اور ان مولوی صاحب کا اسباب منتشر کر کے خود اپنا اسباب جاکر بیٹھ گئے وہ مولوی صاحب آئے تو ملامت کی یہ شرمندہ ہوئے چاہا کہ مولوی صاحب کو شرمندہ کریں کہنے لگے کیوں جناب نماز پنجگانہ فرض ہے انھوں نے کہا ہاں۔ کہا یہ سب جگہ پانچ ہی وقت فرض ہے انھوں نے کہا ہاں۔ کہنے لگے کہ جہاں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے وہاں بھی پانچ ہی وقت فرض ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کیا وہاں سے آرہے ہو یا وہاں جا رہے ہو کہنے لگے نہیں مولوی صاحب نے کہا تو بس ہم ایسے فضول سوال کا جواب نہیں دیتے اس پر وہ سب قہقہہ مار کر ہنسے اور اس ہنسنے میں وہ میانہ عمر شخص بھی شریک ہوئے مولانا فرماتے تھے کہ مجھکو ان کا ہنسنا بہت ناگوار ہوا چند اسٹیشن پر وہ لڑکے تو اتر گئے میں وہاں جاکر بیٹھا اور ان صاحب سے میں نے پوچھا کیوں جناب آپ کا دولت خانہ کہاں ہے آپ ملازم کہاں ہیں سب کا جواب ملا۔ پھر میں نے پوچھا آپ کو شب و روز میں کے گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے اس کا بھی جواب دیا میں نے کہا کیوں جناب اگر گورنمنٹ کی سلطنت اس مقام پر ہو جاوے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے اور آپ کی وہاں کی بدلی ہو جاوے تو کیا وہاں بھی ایک شب و روز میں اتنے ہی گھنٹے کام کرنا ہوگا کہنے لگے کہ نہیں بلکہ اندازہ وقت کا کر کے

اُس نے شب و روز کو سال بھر قرار دیکر سال بھر کا کام لیا جاوے گا جس نے کہا افسوس سلطان دنیا کے احکام و تجویز کی تو آپ کے ذہن میں یہ وقعت کہ اُس پر اشکال واقع ہوا فوراً اُسکی توجیہ کر لی اور سلطان دارین کے احکام کی اتنی بے وقعتی کہ اُس پر جو ایسا ہی اشکال واقع ہوا اُسے بجائے توجیہ کے اُسکی تحقیر کی اور اُس پر تمسخر اڑایا وہ شخص بے حد شرمندہ ہوا اور معذرت اور توبہ کی بس اس طرح یہاں بھی الٰہی ہی تو جیہ کر سکتے ہو بس یہ سوال ہی واہیات ہے کہ بہت سے جانور ہونگے کون اُنکے جانور پر سواری ہوگی یہاں بھی اُسکی نظیر موجود ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس توجیہ پر کچھ موقوف نہیں ہم یوں کیوں نہ کہدیں کہ تعدد کے وقت ہمکو معلوم نہیں کس طرح ہوگا کیونکہ بتلایا ہمکو گیا نہیں اور رائے کا کام نہیں خواہ یہ صورت ہو جاوے یا کچھ اور ہو جاوے ایک مجذوب کا قول مجھے بہت پسند آیا اُس سے کسی واقعہ کی نسبت پوچھا کب ہوگا اُس نے کہا ہم اللہ میاں کے بھیدی نہیں کہ جیسا جان نے یہ کہا ہو کہ لاؤ بھتیجے سے بھی مشورہ کر لیں ہم اُنکے سررشتہ دار نہیں ہمکو کیا خبر کب ہوگا۔ پس تکوینیات میں بھی اور تشریعیات میں بھی بندہ کو اپنا یہ مذہب رکھنا چاہیئے کہ ؎

تدبیر عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار		کار ملک است آنکہ تدبیر و تحمل بایدش
	؎	
کار کن کار بگذر از گفتار		اندریں راہ کار باید کار
	؎	
قدم باید اندر طریقت نہ دم		کہ اصلے ندارد دم بے قدم

اب دعا فرمایئے فہم سلیم و عمل مستقیم کی (پھر دعا کر کے جلسہ ختم کیا) فقط

تمت بالخیر

الحمد للہ کہ وعظ روح الارواح آخر ربیع الثانی ۱۳۴۲ ہجری میں خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہوا